سورۃ محمد (ﷺ)

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مقدمہ

دنیا میں جب مادہ، ترقی کرتے کرتے شعور کا تھوڑا سا اظہار کرنے لگتا ہے، تو اس میں زندگی کی کھینچا تانی یا کشمکش (Struggle for Existence) شروع ہو جاتی ہے، چنانچہ جانداروں کی سب سے نچلے درجے کی شکل اموبیا (Amoeba) ہے، جو ایک خلیئے کا جاندار (Monocellular Organism) ہے، اسے بھی اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکت اور کوشش کرنی ہی پڑتی ہے۔ جانداروں میں جوں جوں جسمانی بناوٹ کی پیچیدگی بڑھتی جاتی ہے، خوراک کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے اور زندگی کی کشمکش زیادہ شدید ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ شیر بڑے بڑے جانوروں کو پھاڑ کھانے کو اور وہیل مچھلی بڑی بڑی مچھلیوں کو نگل جانے کو لپکتی ہے۔

ان حیوانوں میں جہاں تک اپنی حیوانی ضرورتیں حاصل کرنے کے لیے لڑنے اور مارنے کا تعلق ہے، رحم یا انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فطرت نے انہیں ان باتوں کے سوچنے کے لیے پیدا ہی نہیں کیا۔ لیکن جونہی حیات (زندگی) حیوانیت سے ذرا اوپر اٹھتی ہے اور اس میں تعقل کا نور روشن ہوتا ہے، تو زندگی کی کھینچا تانی صرف حیوانی اصول پر کام کرنے کی جگہ عقل کے نیچے آ جاتی ہے اور انصاف اور رحم کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بے عقل حیوانی طبقے میں بقاء اصلح (Survival of the Fittest) کا قانون جاری تھا، تو حیوانوں کے عقلمند طبقے یعنی انسانوں میں بقاء اتقی یا انفع (Survival of Best) کا قانون اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اسی بات کو ذرا کھول کر بیان کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ حیوانوں میں زندگی کی جو کشمکش جاری ہے، اس میں فقط وہی حیوان زندہ بچتے ہیں، جو اپنے ارد گرد کے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں، جسمانی طاقت اور دشمن سے بچنے کے ذریعوں کے مالک ہوں، روزمرہ کی زندگی میں چالاکی، پھرتی، اور ہوشیاری سے رہنے کے لائق ہوں اور بھوک سہنے کے لحاظ سے دوسرے جانوروں سے بہتر ہوں۔ لیکن انسانی سوسائٹی میں زندگی کی کھینچا تانی صرف اوپر بتائی ہوئی چیزوں میں گھری ہوئی نہ رہی، بلکہ عام لوگوں کی بھلائی کی خاطر کام کرنے، انصاف قائم کرنے، خوب سیرتی سے محبت اور اپنے آپ کو بری عادتوں سے پاک کرنے کے خیال کو بھی اس کھینچا تانی میں دخل ہو گیا۔ اس لیے اب یہ کہنا زیادہ صحیح ہے، کہ حیوانی زندگی کی کھینچا تانی انسانی اصول کے نیچے آ گئی۔ اس لیے انسانی جماعتوں میں

سے وہ جماعت انسانی حیثیت سے۔۔۔۔ حیوانی حیثیت سے بلکہ انسانی حیثیت سے۔۔۔۔ زیادہ دیر تک زندہ رہے گی، جس میں عام انسانوں کی بھلائی اور خدا کے سامنے جوابدہی کے ڈر سے انصاف کرنے کا جذبہ، خوب سیرتی سے محبت، اور اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنے کا خیال زیادہ ہوگا اور جس میں ان باتوں پر زیادہ زور سے اور زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کام ہوتا ہوگا، ایسی قوم زیادہ متقی۔۔۔ اتقیٰ [1]۔۔۔ کہلائے گی۔ جب کوئی انسانی سوسائٹی کشمکش کے فقط حیوانی اصول پر اتر آتی ہے، وہ انسانیت کے اونچے درجے سے گر جاتی ہے اور بہتر انسانی اصول پر کام کرنے والی جماعت (جماعتِ اتقیٰ) یا تو اسے بالکل فنا کر دیتی ہے، یا اسے اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے۔ چنانچہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں زندگی کی ضرورتیں تمام افراد کو انصاف کے ساتھ بہم پہنچائی جانے کی جگہ سمٹ کر ایک چھوٹے طبقے کے قبضے میں چلی جاتی ہیں اور وہ طبقہ بڑے طبقے کو ان سے محروم کر دیتا ہے، اس سوسائٹی میں انقلاب (Revolution) آ جاتا ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ وہ جماعت جس کے پاس زندگی کے سامانوں کی کثرت ہو باقی رہے، بلکہ یہ جماعت انقلابی قوتوں (Revolutionary Forces) کے مقابلے میں آ کر فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے بس اور بے کس لوگ (Havenots) غالب آ جاتے ہیں، جن کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب گو کم ہوتے ہیں، لیکن وہ انہیں آپس میں انصاف کے ساتھ بانٹ کر کھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ اچھی باتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کے ساتھ عربوں کی جو جنگیں ہوئیں، وہ اس نکتے کی بہت اچھی مثال ہیں۔

ان جنگوں میں ایک طرف قیصرِ روم اور کسریٰ ایران تھے۔ ہر قسم کے دنیاوی سامان کے مالک تھے۔ لیکن عدل و انصاف نہیں کرتے تھے، بلکہ غریبوں کا خون چوس کر عیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تھے۔ ان کے پاس جنگی سامان تو ایک طرف، کھانے پینے کی عام چیزوں کی بھی کمی تھی، لیکن یہ لوگ قرآن حکیم کی وہ تعلیم لے کر اٹھے تھے، جس میں عوام کی بھلائی، خدا کے سامنے حاضر ہونے کا یقین، انصاف، حب جمال، اور تہذیبِ نفس کے بہت اچھے قاعدے تھے۔ عرب کے لوگ ان پر عمل بھی کرتے تھے۔ نتیجے کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کشمکش میں اونچے درجے کے اصول محض مادی، سامان کی زیادتی پر غالب آئے کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم اجتماعی انقلابی تعلیم ہے۔ اس کا فائدہ انسانیت کے کسی خاص طبقے کو نہیں پہنچتا، بلکہ اس کا فائدہ ساری انسانیت کو ایک جیسا پہنچتا ہے، اس لیے اس کے اصول پر ہر ایک قوم میں انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ وہ خدا

---

[1] قرآن حکیم کی اس آیت ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ'' (۴۹/۱۳) (خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو خدا سے زیادہ ڈر کر عدل کے قانون کی زیادہ پیروی کرتا ہے) میں اسی اصول کی طرف اشارہ ہے، سیدنا عبدالقادر جیلانی تقوے کے معنے میں یہ آیت پیش فرماتے ہیں: اِنَّ اللہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی (الآیہ) پس عدل قائم کرنا تقویٰ کا سب سے ضروری نتیجہ ہے۔ (مرتب)

پرستی کو انسانیت کا ایک لازم جز ٹھہراتی ہے۔ لیکن اس کے لیے کسی پروہت طبقے (Ptiesthood) کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وہ معاشیات کی عادلانہ تقسیم کی مدعی ہے، جس کا عام لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ انسان کی طبعی ضروریات۔۔۔ کھانا، پینا، کپڑا، مکان، تعلیم اور صحت کے انتظامات تمام انسانوں کے لیے ایک جیسے ہوں۔ جس سوسائٹی پر قرآنِ حکیم حکمران ہوگا، اس میں کوئی شخص بھوکا نہیں سوئے گا، کوئی شخص ننگا اور بے گھر بے در نہ ہوگا، اور نہ جاہل اور بے علم رہے گا، ایسے ہی کوئی شخص دوا نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہ مرے گا۔ غرض جہاں وہ خدا کو پہچاننے اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مواقع ہر ایک انسان کو بہم پہنچاتی ہے، وہاں وہ ہر ایک انسان کی طبعی، حیوانی ضرورتیں فراہم کرنا سب انسانوں کا فرض قرار دیتی ہے اور اسے خدا کی محبت کا ایک جز بناتی ہے۔ جو شخص خدا کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کا دم بھرنے کے بعد اس کے بندوں کے ساتھ انصاف کرنے اور کمزور انسانوں کی مدد کرنے میں سستی، کاہلی، غفلت یا بے رخی دکھاتا ہے، وہ قرآن حکیم کی نگاہ میں مجرم اور خدا کے سامنے گنہگار ہے۔ اس سے دنیا میں قرآنی حکومت جواب طلبی کرے گی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں خدا تعالیٰ خود ایک دن مقرر کر کے جواب طلبی کرے گا۔

یہ ہیں وہ باتیں جنہیں دنیا میں چلانے کے لیے قرآن حکیم اپنی جماعت کا سیاسی غلبہ چاہتا ہے۔

انسانی تاریخ کا یہ سب سے المناک حادثہ (Tragedy) ہے، کہ یہ اونچے درجے کے اصول، جنہیں قائم کرنے کے لیے حجاز کا پہلا بڑا انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں ہوا، ہوتے ہوتے بادشاہوں کا کھلونا بن کر رہ گئے۔ چنانچہ ان بادشاہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دین کو سیاست سے الگ کر دیا۔ قرآن کریم کی آیت اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (سورہ جاثیہ: ۲۳) (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا؟) میں ذہنیت کی اسی خرابی کی طرف اشارہ ہے۔ ان بادشاہوں اور امیروں کے نزدیک دین کیا تھا؟ یہی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسئلے۔ باقی رہی حکومت اور اس کے متعلق چیزیں، جیسے ٹیکس وصول کرنا، جزیہ جمع کرنا، فوجداری اور دیوانی انتظام کرنا۔ مخالفوں کے ساتھ جنگ یا صلح کرنا اور معاہدے کرنا، یہ سب سیاست کی باتیں ہیں، ان میں بادشاہ اور امراء اپنی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور صرف اسی مصلحت کا خیال رکھتے تھے، جس کا تعلق ان کی ذات یا خاندان کی حکومت کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے یہی لوگ ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے '' کہ انہوں نے اپنی خواہش کو اپنا پروردگار بنالیا۔''

حضرت نبی اکرم ﷺ کی ساری عمر جہاد اور عدل قائم کرنے میں لگی رہی۔[1] نماز، روزہ وغیرہ

---

[1] امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: چونکہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں انسانی سوسائٹی خدا تعالیٰ کی توحید کو بھول چکی تھی، اس لئے حضرت ابراہیمؑ توحید کی اشاعت ہی کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے طہارت، نماز، حج، زکوٰۃ روزہ اور ذکر کی عبادتیں جاری کیں۔ لیکن نبی اکرمؐ کے زمانے میں ملتوں۔۔۔ میں گڑبڑ پڑ چکی تھی اور ان کے ارتفاقات (معاشی زندگی) خراب ہو چکے تھے اور یہ خرابی اس خرابی سے کہیں زیادہ تھی جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی،

فرض ادا کرنے کے بعد آپ کی زندگی کا زیادہ تر وقت انہی "دنیاوی" باتوں میں گزرتا تھا۔ قرآن کی اشاعت ہے، باہر سے آنے والے وفدوں سے ملاقاتیں ہیں، بادشاہوں کی طرف قرآن کی دعوت ہے، مقدموں کے فیصلے ہیں، لشکروں کی تیاری ہے، جو حکمران آپ کی دعوت نہیں مانتے اور اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں، ان پر لشکر کشی ہے، مالیانے کی جمع ہے، تعلیم کا انتظام ہے، غریبوں اور بے کسوں کی خبر گیری ہے، ان کے قرضوں کے ادا کرنے کا انتظام ہے، یتیموں کی جائیدادوں کا اہتمام ہے، بیواؤں کی نگرانی ہے۔ غرض ہر وہ کام ہے جسے بعد میں "سیاسی" قرار دے کر اور دین سے الگ کر کے بادشاہوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور جس سے علماء نے ہاتھ اٹھا لیا۔ پس اگر سیاست "مذہب" یا "دین" سے الگ کوئی چیز ہے اور سیاست کا تعلق "دنیاداری" کے ساتھ ہے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہؐ کی پاک اور برکت والی زندگی "مذہبی" کی بہ نسبت "دنیاوی" زیادہ تھی۔

اس حجازی انقلاب کو سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ تعمیری زمانے میں انقلاب کی روح کو بہت مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ تعمیر ادھوری رہ جاتی ہے۔

حکمت ولی اللّٰہی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اجتماعی (Social) ہو گی اور مشورے سے کام کرے گی اور غیر راسمالی (Anti-Capitalistic) ہو گی اور لوگوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ دوبارہ راسمالیت یا سرمایہ داری (Capitalism) پیدا کرلیں۔ دوسرے درجے کا قانون (Laws) مکمل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ جب حکومت دیکھے کہ لوگوں نے قانون کی صورت قائم رکھتے ہوئے راسمالیت (Capitalism) یا سرمایہ داری پیدا کرنی شروع کر دی ہے، تو وہ نیا سرمایہ شکن (Anti Capitalist) قانون بنادے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قانون دان مجتہدین ❶ کی ایک جماعت مرکز میں جمع رکھی جائے۔ یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ❷ ہے۔

جس زمانے سے مسلم علماء نے دین اور سیاست کی علیحدگی کو برداشت کیا اسی زمانے سے بادشاہوں نے مسلمانوں کے بیت المال ❸ جس کو مسلمانوں ہی کی ضروریات میں استعمال کیا جاتا تھا، اسی کو اپنے ماں باپ کی میراث (ترکہ) سمجھ کر عیاشیوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا اور عام لوگوں کا دخل حکومت اور بیت المال کے انتظام میں

اس لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو جہاد قائم کرنے، عبادتوں کی اشاعت کرنے، اور ان کے اوقات کے معین کرنے کے لئے بھیجا اور حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ رومی اور ایرانی امپیریلزموں کو برباد کر کے نبی اکرمؐ کی قیادت میں ایک بین الاقوامی حکومت پیدا کی جائے۔ (تفہیمات الٰہیہ، جلد اول صفحہ ۰۶)

❶ مجتہد وہ عالم ہے، جو اپنی تعلیم و تربیت اور تحقیق اور ایمانداری کی وجہ سے اس قابل سمجھا جائے کہ وہ اصول سے ضمنی قاعدے نکال سکے۔ (مرتب)

❷ فرض کفایہ یہ ہے، کہ چند ایک آدمیوں کے ادا کرنے سے تمام جماعت کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص بھی اسے ادا نہ کرے تو سب مجرم قرار پاتے ہیں، اس کے مقابلے میں فرض عین ہے جو ہر ایک شخص کو ادا کرنا ہوتا ہے۔

❸ حکومت کا ٹیکس وغیرہ سے جمع کیا ہوا خزانہ

ختم ہو گیا! اب سب مالی معاملات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت میں عالموں کی ایک جماعت بھی موجود ہے۔ شیخ الاسلام[1] کا عہدہ بھی قائم ہے جو گویا "دینی" باتوں میں بادشاہ کو "مشورہ" دیتا ہے لیکن کوئی عالم اجتہادی قوت کا مالک نہیں اٹھتا جو زمانے کی ضرورت کے مطابق قانون بنا سکے! بادشاہ اقتصادیات اور سیاسیات کے مالک بن بیٹھے اور انہوں نے عالموں کو ان دونوں میں دخل دینے سے روک دیا (اِلَّامَاشَآءَاللّٰہ) اور عالم لوگ صرف نکاح اور میراث کے مسئلے بیان کرنے کو رہ گئے چونکہ انہوں نے سوسائٹی کی عملی زندگی کی باتوں یعنی روزمرہ کے اقتصادی اور سیاسی مسئلوں سے بحث کرنی بند کر دی اور دین اور اس کے مسئلے حکومت کے عہدوں، روزمرہ کے انتظام اور عملی فرائض سے علیحدہ کر کے سکھانے لگے، اس لیے ان کی علمی قوت کمزور ہو گئی۔ اب انہیں بین الاقوامی سیاسیات کی خبر رہی نہ ملکی اقتصادیات کی! اگر عالم لوگ روزمرہ کی عملی سیاسیات اور پیداواری اور تقسیمی اقتصادیات میں دخل دیتے رہتے تو آزادی خواہ لوگ حکومت کے معاملوں میں دخل نہ دینے لگتے اور وہ عوام کے حقوق کا مطالبہ کرتے اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بیت المال سے کوئی خاص حقوق حاصل نہ کرنے دیتے۔ یہ ان بادشاہوں اور امیروں پر بہت بھاری گزرتا جو اپنی "خواہشوں کو اپنا معبود" بنائے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے علماء سے وہ طاقت ہی چھین لی جو ان میں بلند فکر اور گہری تدبیر کرنے کی طاقت پیدا کر سکتی تھی۔ بلکہ عالموں کے اثر کو فنا کرنے کے لیے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ اب دین میں کوئی مجتہد پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جن عالموں نے اس پیراپیگنڈہ میں بادشاہوں کی طرفداری کی وہ بادشاہوں پر اعتراض کرنے میں سب سے زیادہ چپ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوتے ہوتے مسلمانوں سے انقلابی فکر ہی نکل گیا۔ یہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، یہ ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ باطن کے لحاظ سے یہ صورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کے اندرونی حصے کا کائنات کے اس مثالی حصے کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے جو عالمِ مثال کے اس حصے میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اسلام میں جو لفظ 'احسان' استعمال ہوتا ہے، وہ عالمِ مثال کے ساتھ دلوں کے اسی تعلق کو ظاہر کرتا ہے، جیسے ہم نے مرکز کے لیے ایسی جماعت کی ضرورت جتائی ہے جو قانون بنا سکتی ہو، ویسے ہی اہلِ احسان کی ایک جماعت کی بھی ضرورت ہے، جس کا کائنات کے روحانی مرکز کے ساتھ تعلق ہو۔[2]

تعمیر کے دور میں انقلاب کی روح کے ساتھ ربط قائم رکھنے سے یہی دو باتیں مراد ہیں۔

اوپر جو بات ہم نے تھوڑے سے لفظوں میں بتائی ہے، اسے کھول کر بیان کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ کائنات

---

[1] مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بڑا عالم جو سرکاری طور پر بادشاہ کو مذہبی معاملات میں مشورہ دینے کے لئے مقرر ہوتا تھا۔ (مرتب)

[2] خطیب بغداد جو حضرت امام ابو حنیفہ کا بڑا سخت مخالف ہے، تاریخ بغداد میں کئی موقعوں پر لکھتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس مشاورت کے چالیس میمبر تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ امام قاسم بن معن لغوی، امام عبداللہ بن مبارک محدث، امام ابو یوسف فقیہ، امام زفر جیسے ذکی اور حضرت امام داؤد ابن نصیر طائیؒ جیسے سرتاج صوفیاء کی موجودگی کو لازم سمجھتے تھے۔ (مرتب)

کے اس حصے میں جو فضائی کرنوں (Cosmic Rays) کے پیدا کرنے والے خطے سے بھی زیادہ لطیف ہے اور جو عالمِ مثال کے سب سے اونچے حصے میں ہے، وہ عقلی قوتیں جمع ہوتی ہیں، جو اس مادی کائنات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح میں اس جگہ کو حظیرۃ القدس (Sanctus Permagnum) کہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک عکس (پرتو) آتا ہے، جسے حضرت امام "تجلی اعظم" فرماتے ہیں۔ یہ تجلی ساری کائنات پر اثر ڈالتی ہے۔ مادی کائنات کے تمام بڑے بڑے حادثے (Events) پہلے حظیرۃ القدس ہی میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ احسانی جماعت جس کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ ہوتا ہے، شانِ الٰہی کے ہر نئے ظہور کو محسوس کر لیتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ واقعات کا آئندہ رخ کیا ہوگا۔ ان اہلِ احسان کے انکشافات کی مدد سے علمی اجتہاد کے مالک عالم، اللہ تعالیٰ کی ہر نئی شان کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قانون میں تبدیلی کرتے رہیں گے۔ اس طرح انقلابی تعمیر رجعت پسندی (Reaction) سے محفوظ رہ کر ترقی کرتی رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسندی یا ارتجاع پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب لوگ مستقبل کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے ایک عرصے تک غافل رہیں۔

اسلامی زمانے میں یہ کام اہلِ اصلاح و احسان سے متعلق تھا۔ اب ہم یہ سمجھ نہیں سکتے کہ مسلمان قرآن حکیم سے منہ موڑ کر اپنے مرکز کو مجتہدین اور اہلِ احسان سے خالی رکھ کر اور خدا کی طرف توجہ کیے بغیر کس طرح نجات پا سکتے ہیں!!

ہمارے زمانے میں مغربی ملکوں میں یہ فرض اجتماعی سیاستدانوں کے سپرد ہے۔ وہ مختلف قوموں اور ملکوں کے عام رجحانات کے متعلق اعداد و شمار جمع کرتے ہیں اور پھر ان کا بہت ہی گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف پہلوؤں کا مقابلہ کر کے نتیجے نکالتے ہیں جو بہت حد تک صحیح ہوتے ہیں، لیکن چونکہ ان کا تعلق حظیرۃ القدس کے ساتھ نہیں ہے، اس لیے ان کے نتیجے کمزور، ناقص اور نامکمل رہتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کافی مضبوط اجتماعیت پیدا کر لی ہے۔

حق یہ ہے کہ جو قوم کل کی فکر نہیں کرتی، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (۵۹/۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور چاہیے کہ ہر ایک نفس دیکھتا رہے کہ اس نے کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے!"

پس جو شخص اللہ کی نشانیوں کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرے، اس کے سامنے اسلام کا مستقبل بالکل روشن ہے۔ ہر ایک قوم قرآنی انقلاب کو اپنے اندر کامیاب بنا سکتی ہے۔ کیونکہ اس انقلاب کا سرچشمہ یعنی قرآن حکیم موجود

ہے۔ حضرت محمد رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے جس طرح اسے پہلی مرتبہ حجاز میں کامیاب بنا کر دکھا دیا، وہ نمونہ قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ برعظیم پاک وہند میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی شخص پیدا کیا، جو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو سمجھنے والا اور حجازی انقلاب کے سب واقعات کا عالم ہے، اس کا نام ہے امام ولی اللہ دہلوی (اللہ کی رحمتیں ہوں اس پر) حضرت امامؒ نے قرآن حکیم کی انقلابیت کو حضرت عثمانؓ کے دور تک منحصر کر دیا ہے۔ اور برعظیم پاک وہند کے متعلق امید ظاہر کی ہے کہ یہی انقلاب یہاں دہرایا جائے گا۔

اب مسلم نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس امام کی کتابیں پڑھیں اور قرآن کے انقلاب کو سمجھیں، سورۃ ''قتال'' یا ''سورۃ محمد'' کی تفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شارح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اسی انقلابی رنگ میں کی ہے اور دکھایا ہے کہ قرآنی انقلاب کس طرح قومی پیمانے سے ترقی کر کے، کُل قومی انقلاب بن جاتا ہے اور کُل قومی (بین الاقوامی) میدان میں اس انقلاب کا نصب العین (Ideal) کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ یہاں بھی حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا مطالعہ کر کے اس کی بنیاد پر ایسی سرمایہ شکن (Anti-Capitalist) جماعت پیدا کی جائے، جو قرآن حکیم کی غیر راسمالی تعلیم کو اپنائے اور اس ملک میں اس انقلاب کو کامیاب بنائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والعاقبة للمتقين الذين ان مكنهم الله فى الارض يقيمون الصلوة ويوتون الزكوٰة وهم يوقنون والصلوٰة والسلام على رسوله محمد صاحب دعوة الانقلاب العمومى وعلى اصحابه الذين اتبعوه فى ساعة العسرة كما اتبعوه فى ساعة الفتح والذين اتبعوهم باحسان۔ اللهم اجعلنا منهم۔ آمين۔

(ہماری آخری بات یہی ہے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جو تمام قوموں کو پالنے اور ترقی دینے والا ہے۔ اچھا انجام انہی لوگوں کا ہو سکتا ہے، جو اللہ سے ڈر کر عدل قائم کرتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں کسی ملک میں حکومت دے دے، تو وہ نماز کی شکل میں اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں اور خدا کی غریب مخلوق کی خدمت کے لیے اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ نکال کر اسے پاک کر کے کھاتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام کاموں کی جوابدہی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو، اس نبی اعظمؐ پر جو کل قومی انقلاب کی دعوت دینے کے لیے آیا اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے تنگی کے دنوں میں بھی اس کی پیروی کی اور فتح کے دنوں میں بھی اس کے قدموں کے نقوش پر چلے۔ اور ان لوگوں پر بھی جو ان انقلابی مجاہدین کی پوری طرح پیروی کریں۔ خدایا! ہمیں ان انقلابیوں کا ساتھی بنا۔ آمین)۔

المرتب

بشیر احمد۔ بی اے، لودھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ قتال یا سورۃ محمد (ﷺ)
قرآنی انقلاب اور جنگ

نام:
سورہ محمد (ﷺ) کا دوسرا نام سورۃ قتال بھی ہے، یہ مدنی سورۃ ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں جنگِ بدر کے بعد ۲ ہجری میں اتری۔

پچھلی سورت سے ربط:
اس سورت سے پہلے حٰمٓ والی سورتیں ہیں، جو سب کی سب مکی ہیں۔ ان میں عالمگیر کُل قومی انقلاب کی تیاری کے متعلق قومی پیمانے پر کام کرنے کے لیے تعلیم دی گئی ہے۔ جو روح کے اعتبار سے حنیفی ہے۔ یعنی اس کے بنیادی اصول وہ ہیں جو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پیدا ہوئے۔ ان کی بنیاد ایک خدا کی عبادت اور سرمایہ شکنی (Anti-Capitalism) ہے۔ یہی انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس انقلاب کی تیاری تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ہوتی رہی۔ ہجرت کے بعد یہ انقلاب ایسے پیمانہ پر آگیا کہ اسے جماعتی حلقے سے نکال کر قومی پیمانے پر چلایا جائے۔ چنانچہ سورۃ محمد (ﷺ) یا سورۃ قتال میں ہمیں اس انقلاب کے لیے قومی جنگ کے متعلق چند قواعد بتائے گئے ہیں۔

اگلی سورت کے ساتھ ربط
اس سورت کے بعد سورۃ فتح آتی ہے، جس میں قومی انقلاب کے پورے ہو جانے کے بعد جس کا اظہار صلح حدیبیہ میں ہوا، اس کا کل قومی نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اس سورت میں جنگ کے متعلق چند احکام دیئے گئے ہیں۔ قرآن کا جنگ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام کوئی انفرادی اور رہبانی

تحریک نہیں ہے، جس کا تعلق فقط چند اونچے درجے کے انسانوں کے ساتھ ہو، بلکہ یہ اجتماعی تحریک ہے، جس کا تعلق ساری انسانیت کے ساتھ ہے۔

اجتماعی تحریک کی دوقسمیں

اجتماعی تحریکات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ارتقائی تحریکات (Evolutionary Movements)

(۲) انقلابی تحریکات (Revolutionary Movements)

ارتقائی تحریکیں

ارتقائی تحریکات میں تحریک کے پھیلنے کا ذریعہ فقط پراپیگنڈہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریکوں میں جنگ بطور ایک آلے کے بالکل شامل نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں جماعت بندی ہوتی ہے۔

انقلابی تحریکیں

انقلابی تحریک میں انسانیت کے لیے فلاح کا ایک نصب العین (Ideal) ہوتا ہے۔ اس پر جماعت بندی ہوتی ہے۔ وہ جماعت اپنے پروگرام (Programme) کو ملک میں چلانے کے لیے حکومت کی کُل پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس لیے جنگ بھی اس کے پروگرام میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ انقلابی لوگ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی کو رجعت پسندوں (تبدیلی مخالف عناصر Reactionaries) سے بھی پاک کریں۔ وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتے کہ رجعت پسند ان پر حملہ کریں، تبھی ان کے حملہ آور ہونے کا جواب دیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر رجعت پسندوں پر اقدامی طور پر ان کی حملہ آور ہونے کی طاقت چھین لینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلاً سورہ فتح میں جس میں کل قومی جنگوں کی طرف اشارہ ہے صلح حدیبیہ کے بعد ہی خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا گیاہے۔ کیا وہ جنگ مدافعانہ (Defensive) تھی؟ تاریخ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تحریک ارتقائی نہیں بلکہ انقلابی تحریک ہے۔

جن لوگوں نے اسلامی جنگوں کو مدافعانہ قسم ہی میں بند کر دیا ہے۔ انہوں نے اجتماعی تحریکوں کے اس فرق کو ذہن میں نہیں رکھا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر کل قومی انقلابی تحریک ہے، جس میں مدافعانہ جنگیں بھی ہوتی ہیں اور اقدامی جنگیں بھی۔

انتفاعی جنگ

البتہ جنگ کی ایک اور قسم بھی ہے، جو گری ہوئی، انسانی سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں اور آج کل بھی اس قسم کی جنگیں ہوتی ہیں۔ ان میں ایک قوم دوسری قوم کو غلام بنا کر اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس قسم کی جنگ کو ہم انتفاعی جنگ (Expliotative) کہتے ہیں، یہ منڈیاں حاصل کرنے یا امپریل فائدے حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔[1] اس میں کسی خاص صالح فکر کے پھیلانے اور انسانی سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم اس قسم کی جنگ کا ہرگز حامی نہیں ہے۔ وہ فقط ایک صالح فکر کی حفاظت اور اشاعت کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اسے وہ مدافعانہ اور اقدامی حملوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ ہمیں اس قسم کی جنگوں کے لیے چاہے وہ مدافعانہ ہوں یا اقدامی کسی عذر خواہی (Apology) کی ضرورت نہیں۔

قرآن کا فکر

قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک صالح فکر پیش کرتا ہے۔ جس میں انسانیت کے سب پہلو آجاتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی تیاری بھی۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سربلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خداپرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لئے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت خداپرستی کا جزو ہے اور خدادوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتیں۔

کافر کون ہے؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے، تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں کافر کہلاتی ہے اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔

---

[1] جیسے مغربی اقوام ایشاء اور افریقہ میں نوآبادیوں کے ذریعہ کرتے رہے ہیں۔ (مرتب)

قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے، بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت کی بنیاد پر لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرسکیں۔

اسلامی انقلاب کے اس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران تھا، اس کے نیچے وہ لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے اس فکر کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس انسانیت کی خدمت کرنے والے فکر سے مقابلہ کرنے اور لڑنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس حالت میں انہیں اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ بلکہ قرآنی جماعت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا۔

"کافروں" سے لڑنا کیوں ضروری ہے؟

یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ اسلام اپنے سب مخالفوں سے لڑتا ہے، یہ صحیح نہیں۔ اس میں بنیادی غلطی یہ ہے، کہ اسلام کو انقلابی تحریک نہیں سمجھا گیا۔ واقعی اگر اسلامی تحریک ارتقائی تحریک ہوتی، تو اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن جیسے اوپر دکھایا جا چکا ہے، وہ ایک انقلابی تحریک ہے، اس لئے وہ رجعت پسندوں (Reactionaries) کو، اگر وہ عملاً مخالفت کریں، اپنے حلقہ اثر میں نہ کبھی زندہ رہنے دے سکتی ہے اور نہ اپنے اصول چھوڑ کر ان سے مصالحت (Compromise) کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر رجعت پسندوں کو طاقتور رہنے دیا جائے، تو ملک میں نراج (Anarchy) پیدا ہو جائے گا۔ البتہ مخالفین میں سے جو لوگ قرآنی تحریک کے خلاف عملی اقدام چھوڑ کر اس کے نظام کے اندر رہنا چاہیں، انہیں بعض پابندیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ اس حالت میں قرآنی حکومت ان کی حفاظت بھی کرے گی اور ان کے جائز قانونی حقوق کی حمایت بھی کرے گی اور ان کے ساتھ انصاف کا پورا پورا معاملہ کرے گی۔

اسلام اور جنگ

تاریخ اسلام کے کسی بھی زمانے میں جب اسلامی حکومت کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے، اسلامی قانون کے کسی ماہر یا قرآن حکیم کے کسی تفسیر کرنے والے نے یہ خیال ظاہر نہیں کیا، کہ جہاد اور قتال اسلامی تعلیمات کا جز نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ جب سے، مصر وغیرہ پر یورپی طاقت کا غلبہ ہوا، یہ نیا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے، کہ اسلام میں جنگ نہیں ہے قتال نہیں ہے۔ جہاد سے مراد قلمی اور زبانی تبلیغ ہی ہے اور بس۔

یورپ کا فریب

حقیقت یہ ہے کہ، یورپ نے مشرق کی عام کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پہلے تو اسلامی ملکوں میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، یعنی اس میں خود عقلی اور روحانی قوت نہیں ہے۔ اس کی جواب دہی کے لئے چند عقلمند تیار ہوگئے۔ انہوں نے سمجھایا کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے۔ مگر یورپ کے فکری حملے سے وہ بھی پورے طور پر نہ بچ سکے اور ان سے بھی یہ کہلوا لیا گیا، کہ اسلام میں فقط مدافعانہ جنگ (Defensive war) کی اجازت ہے، حالانکہ خود یورپ اس وقت پوری دنیا میں ایک طرف جارحانہ جنگ (Aggressive war) تو دوسری طرف وہ انتفاعی جنگ (Exploitative war) میں مصروف تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے مدافعانہ جنگ کی عذر خواہانہ دستاویز تیار کرا کے اسے خوب شہرت دی۔

رجعت پسندوں کا ایک فریب

اس دور میں مسلمانوں میں جو رجعت پسند (Reactionaries) جنگ کو اسلام میں سے نکال نہ سکے، انہوں نے اسلام کی انقلابی روح کو فنا کرنے کے لئے ایک اور چال اختیار کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ قتال امیر کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اس کی وہ شرطیں بیان کر کے خاموش ہوگئے، جن کے پورا ہوئے بغیر قتال نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد اور قتال کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے، جو بد قسمتی سے ہم اس وقت قائم نہیں کر سکے تھے، لیکن انہوں نے اس سے آگے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے، کہ قتال کی یہ شرطیں پوری نہ ہو سکیں تو کیا کیا جائے؟ اگر ان کی آرام طلبی اس سوال کا جواب ڈھونڈھنے کی تکلیف اٹھاتی، تو انہیں معلوم ہو جاتا، کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اس کا جہاں یہ مطلب ہے کہ بہت سے جہاد کرنے والے موجود ہوں، تو بعض لوگ، جو کسی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکیں، ان کا عذر مان لیا جا سکتا ہے، وہاں اس کا یہ مطلب بھی ہے، کہ اگر کوئی بھی اس میں حصہ نہ لے، تو سب کے سب مسلمان مجرم ہیں، اگر وہ اس طرح سوچتے تو وہ ضرور اس بات کی کوشش کرتے، کہ ایسا نظام پیدا کیا جائے، جس میں جہاد ہو سکے۔

دوسرا فریب

ایک اور جماعت نے جہاد کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اسے مہدیؑ کی آمد کے ساتھ لگا رکھا ہے۔ ان روایتوں کو صحیح مان لینے کے بعد بھی، جن میں مہدی کے آنے کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، یہ کہا جا سکتا ہے قرآن

حکیم کی تعلیم کا کُل قومی غلبہ کسی مہدی یا پیغمبر کی آمد سے بندھا ہوا نہیں ہے۔ یہ تعلیم اپنے آپ کو غالب کرنے کی آپ ذمہ دار ہے۔

نمونے کی جماعت

غرض جب انقلابی جماعت انسانیت مخالف نظام کو برباد کر کے اس کی جگہ صحیح انسانی نظام قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائے، تو یہ جماعت تمام کارکن جماعتوں کے لئے نمونہ بن جاتی ہے۔ یہ جماعت قتال کا حکم دیتی ہے اور اس کے ذریعے غلبہ پاتی ہے۔ اس حالت میں حق کی پیروی یہی ہوتی ہے، کہ قتال کیا جائے۔ یعنی جو شخص قتال میں شریک ہو یا کوئی ایسا کام کرے جو قتال کے حق میں ہو، اس کے موافق ہو اور اس میں مددگار ہو، تو ملاء اعلیٰ کی دعائیں اس کے حق میں ہوتی ہیں اور خدا کی رحمت اس پر اترتی ہے اور جو شخص قتال کی مخالفت کرتا ہے یا عذر معذرت کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، ملاء اعلیٰ سے اس پر ناراضگی اترتی ہے اور وہ منافق گنا جاتا ہے۔

منافقین کا اخراج

انقلابی جماعت کو سب سے زیادہ خطرہ منافقوں ہی سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس جماعت کے اندر رہ کر اس میں پریشان خیالی پھیلاتے ہیں۔ اس لئے لڑنے والی اسلامی جماعت میں سے منافقوں کا نکالا جانا ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ کام ہوشمندی کے ساتھ کرنے کا ہے۔

اسلامی حجازی انقلاب نے کامیابی کی سب منزلیں بڑی جلدی طے کر لیں اور اس کی جماعت نے تیاری کرنے اور لڑنے کی طاقت پیدا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ پھر بھی اس میں منافق گھس ہی آئے۔ شروع شروع میں مصلحت یہی تھی، کہ منافقوں پر تشدد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عام مسلمان انقلابی اپنے علم سے منافق اور غیر منافق میں تمیز نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کسی شخص کے منافق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ خود نبی اکرمؐ کی ذات مبارک کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر آنحضرتؐ منافقوں پر تشدد کرنے کا اشارہ کر دیتے، تو یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی، کہ آپ جس شخص کو پسند نہیں کرتے، اسے منافق قرار دے کر مروا دیتے ہیں۔ اس طرح یہ بات کسی قانون کے نیچے نہ آتی، بلکہ ایک شخص کے فیصلے پر رہ جاتی۔ حالانکہ جماعت کی ترقی کے لئے شخصی فیصلے کی جگہ باقاعدہ قانون کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ آنحضرتؐ اس بات سے عام طور پر بچتے رہے، کہ جماعت کی کسی بات کو اپنی ذاتی رائے سے چلائیں۔ آپ کی غرض یہ تھی، کہ جماعت یا عوام میں اللہ کے قانون کی پیروی کا جذبہ مساوات کے ساتھ پیدا ہو اور وہ سمجھ

لیں، کہ قانون کے سامنے چھوٹا آدمی ہو یا بڑا آدمی سب برابر ہیں۔ فقط قرآن کے سمجھنے کے لئے آپؐ کی ذات پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ یہ سب باتیں آپ ﷺ نے اپنے ان ساتھیوں کو، جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے، سکھادیں اور انہیں علم میں پکا (راسخین فی العلم) بنادیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے، تو آپ کی جماعت میں قانون الٰہی کی پیروی کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔

غرض حٰمٓ والی سورتوں میں کُل قومی انقلاب کے لئے عربی مزاج کو ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی، اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا، کہ جو لوگ اپنے اندر یہ ذھنی تبدیلی پیدا کرلیں اور اس تعلیم پر پورا پورا ایمان لے آئیں، وہ ان لوگوں سے الگ ہو جائیں، جو اس تعلیم کو نہ مان کر جمود اور شرک میں پھنسے رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ترقی پسند انقلابی طبیعت رکھنے والے لوگ حضرت محمد رسول اللہؐ کی رہنمائی میں جمع ہوگئے۔ یمن اور نجد کے باشندے اور عراق اور شام کے قریب بسنے والے لوگ پہلے پہل اس جھگڑے سے الگ رہے اور دیکھتے رہے کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے، اس کے ساتھ معاملہ کرلیں گے۔ لیکن حجاز میں رجعت پسندوں اور انقلابیوں کے جو دو گروہ بن گئے تھے ان میں جنگ ہونی لازم تھی۔

حجازی انقلاب کی منزلیں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے، جو حجاز کی انقلابی جماعت کے رہنما تھے، اور جنہوں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر کُل قومی انقلاب کا پکا ارادہ کر رکھا تھا:

(۱) سب سے پہلے تو لوگوں کو اپنے پروگرام کی طرف بلایا،

(۲) پھر انقلاب کے لئے ایک مضبوط جماعت تیار کی،

(۳) کوشش کی کہ مخالفین آپؐ کی تعلیم قبول کرلیں،

(۴) جنگ کی تیاری کی،

(۵) مدینہ منورہ میں مرکز قائم کیا،

(۶) مدینے والوں اور ارد گرد کے رہنے والوں کی قوت جمع کی،

(۷) جنگ کی،

(۸) مخالفوں کو ان کے مرکز سے نکال دیا،

(۹) ان پر غلبہ پایا، اور

(۱۰) اپنا قانون، ماننے اور نہ ماننے والوں پر چلایا۔

یہ فتح درجہ بدرجہ کل قومی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور یہ کامیابی قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق انقلاب کرنے والوں کے لئے رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی۔ سورت محمد میں اسی پہلی انقلابی جنگ۔۔۔۔۔ بدر۔۔۔۔۔۔کا ذکر ہے۔

(۱) اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ

ترجمہ: جن لوگوں نے صرف دشمنی نکالنے کی خاطر اس تعلیم کو ماننے سے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا، اللہ نے ان سب کے اعمال اکارت کر دیئے۔

آیت نمبر (۱) اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡ جن لوگوں نے دشمنی نکالنے کی خاطر انکار کیا سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے قرآنی انقلاب کی تعلیم کو ماننے سے انکار کر دیا اور سوچ سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔

وَصَدُّوا عَنۡ سَبِیۡلِ اللہ (اور لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے سے روکا) انہوں نے قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے والے انقلابیوں کے لئے ایسے حالات پیدا کر دینے کی کوشش کی، کہ وہ اس تعلیم پر آزادی کے ساتھ عمل نہ کر سکیں۔ مثلاً ان کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اور غلط فہمیاں پھیلائیں، انہیں تکلیفیں دیں، ان کا بائیکاٹ کیا، انہیں قید کیا، بعض کو قتل بھی کر دیا۔ جب یہ انقلابی ان مصیبتوں سے بچنے کے لئے اپنے گھر بار اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلے گئے، تو وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اور وہاں سے بھی گرفتار کر کے لانے کی کوشش کی۔

کافروں کی ناکامی

اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ (اللہ تعالیٰ نے رجعت پسندوں کے اعمال اکارت کر دیئے) یہ لوگ اپنی ان کارروائیوں سے، جو ان مسلم انقلابیوں کے خلاف کر رہے تھے، کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اور قرآن حکیم پر لوگوں کے اجتماع کو روک نہ سکے۔ اب جو انہوں نے جنگ کے ذریعے سے انقلاب کو روکنے کی کوشش کی ہے، تو یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اگر رجعت پسندی کے مقابلے میں یہ انقلابی طاقت نہ ہو تو رجعت پسندی تمام دنیا پر چھا جائے اور انسانیت کو تباہ کر دے۔

کافروں سے مصالحت کی ایک ہی صورت

قرآنی جماعت، جو ان لوگوں سے جنگ کرے گی، تو اس لئے نہیں کہ وہ اس کی بات نہیں مانتے، بلکہ اس لئے کہ

وہ اس کی بات کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ قرآنی تحریک کا مقابلہ نہ کریں اور اس کے نیچے امن و چین سے رہیں، تو ان سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ اسلامی فتوحات کے زمانے میں جس قوم نے اسلامی حکومت کے نیچے رہنا مان لیا، اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی گئی اور اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا۔ قرآن حکیم صرف یہ چاہتا ہے کہ انسانیت میں سے استحصالی انسانیت کش رجعت پسند قوتوں کے غلبے کو توڑ دے اور اپنا انسانیت آفرین انقلاب قائم کر دے۔

آیت نمبر (۲) وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ۝۲

(اور جو لوگ ایمان لائے، اور اس (ایمان کے مطابق) نیک عمل کیے۔ اور ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر اتاری گئی۔ اور وہی ہے سچی بات ان کے رب کی طرف سے۔ (اللہ نے) ان کی برائیاں ان سے دور کیں اور ان کا حال سنوارا۔)

ایمان دار کون ہیں؟

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (جو لوگ ایمان لائے): یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حنیفیت کے عام قاعدے مان لئے، اور پورے یقین کے ساتھ ان کی کامیابی کے لئے اپنی جان و مال اور سب کچھ قربان کر دینے کا پکا ارادہ کر لیا۔ یہ ایمان کا عام درجہ ہے، اور اس میں تمام تعلیمات شامل ہیں، جو انبیاء کرام لے کر آئے۔ ان کی ترقی یافتہ اور صاف شکل حنیفیت ہے۔

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (انہوں نے نیک کام کیے): کاموں کی اچھائی اور بھلائی کی جانچ یہ ہے کہ وہ کہاں تک ان کے ایمان کے مطابق ہیں۔ اگر وہ ان کے ایمان کے مطابق ہیں تو صالح ہیں، ورنہ نہیں۔

وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (انہوں نے اس تعلیم کو مان لیا جو محمد ﷺ پر اتری)

نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں

حضرت محمد رسولؐ جہاں حنیفیت کی تحریک کے داعی ہیں، وہاں اس کے آخری درجے کے مستقل امام (Leader) بھی ہیں۔ اور وہ اس کا کُل قومی درجہ ہے۔ آنحضرتؐ نے جو امت تیار کی، وہ قرآن حکیم کو عالمگیر درجے پر کامیاب بنائے گی۔

وَّ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ (یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے): یہ تعلیم تمام پہلے انبیاء کی تعلیم کا

خلاصہ ہے۔ اور انسانیت کی بنیاد ہے۔ اس لئے یہ اصل چیز ہے، اور پائیدار دائمی تعلیم ہے۔ اس کے خلاف چل کر کوئی انسانی جماعت کسی زمانے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اب اسے کُل قومی (بین الاقوامی) درجے پر انسانیت میں حکمران بنایا جائے۔

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (ان کی لغزشیں چھپادی جائیں گی۔ اور ان کے حال کی درستی کردی جائے گی)

لغزشوں کی معافی

جب کوئی جماعت وسیع پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھتی ہے، تو اس سے لغزشوں کا ہوجانا طبعی بات ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ جان کی بازی لگادیتی ہے اور حق کو حق سمجھ کر قبول کرتی ہے، اور جہاں اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے فلاں غلطی ہوگئی ہے، وہ فوراً اس سے باز آجاتی ہے اور اس کا بدلہ اتارنے اور درستی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور پھر حق پر قائم ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کی پہلی لغزش توجہ کے قابل نہیں رہتی۔ مثلاً ایک دیہاتی ہے وہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اسے انسانیت کے صحیح اصول سمجھادیئے جاتے ہیں۔ اور رجعت پسند طاقتوں کا جو طریق ہے، وہ بھی اسے بتادیا جاتا ہے اتنی سی تعلیم ایک آدمی کو چند منٹ میں دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اسے آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق کی تائید میں اپنی جان دے دے۔ وہ اس پر آمادہ ہوجاتا ہے، اور آخر دم تک اس پر قائم رہتا ہے۔ ایسے شخص میں بہت سی ظاہری کمزوریاں ہیں، وہ شاید غلطیاں بھی کرتا ہے۔ مہذب افراد اور متمدن قومیں اس میں ہزار عیب نکال سکتی ہیں، لیکن انقلابی قانون میں یہ تمام غلطیاں معاف کردی جاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی حالت درست کردی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تہذیب اور شائستگی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ جس کے بعد تہذیب اور شائستگی کا اور کوئی معیار دنیا قبول نہیں کرتی۔ اس طرح وہ باتیں جو کچھ عرصہ پہلے ''مہذب'' لوگوں کی نظروں میں عیب تھیں، اب مہذب کہلانے کے لئے اچھی قرار پاتی ہیں۔ غرض جو لوگ اس انقلابی قانون کے پابند ہوں، اس کے غلبے کی کوشش کریں، خدا تعالیٰ کو اپنا مددگار اور مالک قبول کریں، ان کی حالت درست ہوجاتی ہے۔ اور انہیں دنیا میں امن، عزت اور راحت حاصل ہوتی ہے، وہ دنیا میں حاکم بن کر رہتے ہیں۔

آیت نمبر (۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ

(یہ اس لئے ہے کہ جو منکر اور دشمن ہیں، وہ جھوٹی بات پر چلے۔ اور جو ایماندار ہیں انہوں نے اپنے رب کی طرف سے سچی بات مان لی۔ یوں اللہ لوگوں کو ان کے حال بتاتا ہے۔)

کامیابی کی گارنٹی

رجعت پسند کافروں نے اس انقلاب کو مٹانے کے لئے لاؤ لشکر تیار کیا اور بہت بڑی فوجی جمعیت اور سامان فراہم کرلیا۔ ان کے مقابلے میں انقلابی مومنوں کی حالت بہت کمزور تھی۔ ان کے پاس نہ پورا سامان جنگ تھا، نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ البتہ انہیں یقین تھا کہ ہم سچائی پر ہیں، اس لئے وہ مضبوطی سے اڑے رہے، اور فتح نے ان کے قدم چومے۔ پس یہ فتح اس بات کا نتیجہ تھی، کہ انہیں اپنے مقصد کے سچے ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ یہ چیز رہتی دنیا تک تمام قوموں کے لئے ایک مثال ہے۔ پس جو لوگ عالمگیر انقلاب کے لئے اٹھیں، وہ اسی مقصد کو لے کر اٹھیں جو صحیح انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہو، جیسے ان حجازی انقلابیوں نے کیا۔ وہ اس مقصد پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں، اس وقت ان کی فتح یقینی ہے۔

کفار جس پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں، وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ ایک چھوٹے سے طبقے کو پہنچتا ہے۔ اور اس میں خداترسی بھی صحیح شکل میں نہیں آتی، جو انسانیت کی طبعی پیاس بجھا سکے۔ لیکن قرآن حکیم کا پروگرام عوام کے فائدے کے لئے ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے اور اس کی دعوت بنیادی انسانیت کے لئے ہے، جو نہایت پائدار۔۔۔ حق [1] ۔۔۔۔ ہے، جب تک انسانیت موجود ہے۔ اس تعلیم کا قائم رہنا اٹل ہے۔ اس کے مقابلے میں جو غلط تعلیم آئے گی، وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

اگلی آیت میں بتایا جاتا ہے، کہ اس قسم کی جنگ کے وقت کون سے قاعدے سامنے رکھنے چاہییں۔

آیت نمبر (۴) فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ

(سو جب تم دشمنوں کے مقابلے میں آؤ، تو (ان کی) گردنیں مارو، کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو بندھن مضبوط کرلو۔ پھر یا احسان کرو یا معاوضہ لے لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ سن چکے ! اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے، لیکن وہ تم کو ایک دوسرے سے جانچنا چاہتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔)

(ا) (الف) اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (جب اس تحریک کے نہ ماننے والوں سے تمہاری جنگ اور مقابلہ ہو، تو ان کی گردنیں مارو)

---

[1] ”حق“ کے بنیادی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں، جو چیز انسانی فطرت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے وہ پائیدار ہوتی ہے۔ (مرتب)

رجعت پسندوں کا خاتمہ کر دو

انقلاب کا یہ لازم جز ہے کہ رجعت پسندوں کے غلبے کو پوری طرح توڑ دیا جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جنگ میں ذرا بھی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

(ب) حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا (یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو، تو ان پر بندھن مضبوط کر لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔)

رجعت پسندوں کی تنظیم توڑ دو

مخالفین کی اتنی سر کوبی کرو کہ ان کے دلوں میں سے انقلابی جماعت کے خلاف کھڑے ہونے کا ارادہ نکل جائے۔ جب وہ لڑنے سے رک جائیں، تو انہیں گرفتار کر لو اور ان کی پوری پوری نگرانی کرو کہ وہ اپنی تحریک کو زندہ نہ کر سکیں۔ ان کی اشاعت، اجتماع اور تنظیم کو روکنے کے لیے بندشیں لگا دی جائیں، یہ بندشیں اور سختیاں اس وقت تک جاری رہنی چاہییں، جب تک ان کے حوصلے پست نہ ہو جائیں اور انقلاب کے مقابلے میں کوئی رجعت پسندانہ حرکت نہ کر سکیں اور لڑنے کا خیال قطعاً ان کے ذہنوں سے نکل جائے۔ [1]

(ج) فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً (پھر بعد میں احسان کرو یا معاوضہ لو)

قیدیوں کے متعلق احکام

انقلاب میں جو قیدی گرفتار ہوں، ان کے متعلق دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) انہیں معاوضے کے بغیر بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے، جو رجعت پسندی سے باز آ جائیں اور جن کے متعلق یقین ہو جائے کہ وہ واقعی آئندہ ہمارے مقابلہ میں نہیں آئیں گے۔

(۲) معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

اس کی چار شکلیں ہو سکتی ہیں۔

---

[1] امام ولی اللہ دہلویؒ، اپنی کتاب 'بدور بازغہ' (صفحہ ۸۰) میں فرماتے ہیں کہ و لیکن اول نظرہ الی قہر الاعداء و تفریق اجتماعھم و جبن قلوبھم و الیاس من الجناۃ۔ (امام کا فرض ہے کہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا غلبہ دشمن پر رہے، وہ ان کا کوئی اجتماع نہ ہونے دے ان کے دلوں کو کمزور کرتا رہے اور انہیں کبھی اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ نجات پا سکیں) (مرتب)

(۱) دشمن کے آدمی یرغمال کے طور پر لے لیے جائیں۔ (۲) مسلمان قیدیوں کے معاوضے میں رہا کر دیا جائے (۳) روپیہ لے کر رہا کر دیا جائے (۴) مکاتبت[1] کر لی جائے۔

یہ سب قواعد حالت جنگ کے لیے ہیں۔

کیا اسلام میں غلامی نہیں ہے؟

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ اسلام میں "غلامی" نہیں ہے۔ ان کا یہ بیان ہے کہ "قرآن حکیم صرف جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم دیتا ہے، پھر یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ان قیدیوں کو معاوضہ لے کر یا بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ انہیں ہمیشہ غلام بنا کر رکھا جائے۔ ان کی اولاد کو بھی غلام بنانا تو ایک طرف رہا۔ یہ جاہلیت[2] کی رسم تھی کہ غلام بنانے کے بعد انہیں رہا نہ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے غلام بنانے کی جاہلی رسم کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور حکم دے دیا کہ مذکورہ بالا دو صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں انہیں رہا کر دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یورپ نے غلامی کی آزادی میں جو کچھ کیا وہ اسلام کی پیروی میں کیا۔"

ہمارے نزدیک ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے پر ایک تاریخی اعتراض آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے پہلے دور میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حالانکہ خلفاء راشدین[3] کے عہد میں اس آیت پر ان معنوں میں سب سے پہلے عمل ہونا چاہیے تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ غلامی کی تنسیخ کے متعلق جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے بہت ہی مبالغے سے کام لیا ہے، خاص کر اس آیت سے دلیل لینا کہ غلامی منسوخ کر دی گئی ہے، تکلف سے خالی نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی شکلیں

اس آیت میں جو لفظ فِدَآءً (معاوضہ لے کر) آیا ہے اس سے فقط یہی مراد نہیں ہے کہ ان قیدیوں کی رہائی کے معاوضے کا روپیہ لے لیا جائے، یا قیدیوں کا آپس میں ادلا بدلا کر لیا جائے، بلکہ ہمارے نزدیک اس میں مکاتبت بھی داخل ہے۔ ایک آدمی گرفتار ہو کر قید ہو جاتا ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے کہ اس کے فدیے کا روپیہ دے کر رہا کرا لے اور نہ دشمن کے پاس مسلم قیدی ہیں کہ ان میں سے کسی کے بدلے میں اسے رہائی ملے اور نہ اس

---

[1] قیدی کا کما کر اپنے رہائی کا معاوضہ ادا کر دینے کا معاہدہ۔ (مرتب)

[2] حضرت محمد رسول اللہؐ نے عرب میں اسلام پھیلایا۔ اس سے عین پہلے جو زمانہ تھا، اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں۔ (مرتب)

[3] حضرت محمد رسول اللہؐ کے بعد چار خلفاءِ صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علے المرتضیٰؓ، (مرتب)

کی ایسی حالت ہے کہ اسے بطور احسان چھوڑ دیا جائے۔ ایسا جنگی قیدی یقیناً غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ ایسے غلاموں کے متعلق سورہ النور میں جداگانہ حکم موجود ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور: ۳۳)

(تمہارے لونڈی غلام میں سے جو مکاتبت چاہیں، ان کو مکاتبت دے دو، بشرطیکہ تم ان میں بھلائی دیکھو اور اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے انہیں کچھ دے دو۔)

کن قیدیوں کو رہا کیا جائے؟

یہاں ''بھلائی'' سے مراد یہی ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد مسلمانوں سے جنگ نہ کریں، یا اگر وہ مسلم سوسائٹی ہی میں رہنا پسند کریں تو اس پر کسی طرح سے بار نہ ہوں جب تک کسی شخص کے متعلق یہ ثابت نہ ہو کہ وہ جنگ سے باز آجائے گا یا مسلم سوسائٹی کے لیے مضر یا بار ثابت نہ ہوگا، اسے عمر بھر قید رکھنا جائز ہے، لیکن جب اس کی ''بھلائی'' کا یقین ہو جائے تو اس سے مکاتبت کر لی جائے اور اس سے اس کا زر فدیہ قسطوں میں وصول کر لیا جائے۔ اگر وہ روپیہ ادا نہ کر سکے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس قیدی کی مالی مدد کریں اگر مسلمان اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے اس کی مدد نہ کر سکیں تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ زکوۃ کے جمع کیے ہوئے مال سے اس مکاتب کو دے۔

بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ جنگی قیدیوں کے معاملے میں قرآن حکیم نے جو قوانین دیئے ہیں، ان میں خود ان قیدیوں کی بھلائی کا بھی بہت حد تک خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی طرف ان لوگوں کی توجہ نہیں ہوئی جنہوں نے غلامی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کے زمانے میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کسی جنگی قیدی نے مکاتبت چاہی ہو اور اس حق سے محروم کیا گیا ہو۔ اس دور میں اس قانون پر برابر عمل ہوتا رہا۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں اس قانون سے غفلت شروع ہوئی، البتہ اس زمانے میں مسلمان علماء اس غفلت پر تنبیہ کرتے رہے، گو بعد کی صدیوں میں امیر طبقے نے غلامی کو باقاعدہ جاری کر لیا جو بے حد افسوسناک ہے۔

قید کے طریق

اصل بات یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (۱) مرد اور (۲) عورتیں۔ انہیں رکھنے کے بھی دو طریق ہو سکتے ہیں۔ (الف) جداگانہ قید خانے بنا کر جیسے آج کل دستور ہے۔ (ب) اپنی آبادی کے ساتھ مخلوط کر کے نگرانی میں لے لیا جائے۔

جداگانہ قید خانے

قیدیوں کو جداگانہ قید خانوں (Concentration Camps) میں رکھنے سے بہت سی خرابیاں اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) قیدیوں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ اور نہایت گندے گناہ مثلاً صدومت (Sodomy) جاری ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ان کی انسانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ کسی اچھی سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتے۔

(۲) ان قیدیوں سے قید خانوں میں نہایت سخت مشقت لی جاتی ہے۔

(۳) جو لوگ ان قیدیوں کی نگرانی کرتے ہیں وہ ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔

(۴) یہ قیدی انقلاب کو کبھی قبول نہیں کر سکتے اور اپنے دلوں میں اس کے خلاف جذبات کو پرورش کرتے ہیں۔

یہ خرابیاں انگلستان، جرمنی اور دوسرے یورپی اور امریکی ملکوں کے قید خانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسری بڑی جنگ (۴۵-۱۹۳۹ء) میں یورپی ملکوں نے اپنے دشمنوں کے قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک کیے ہیں، ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خاندانوں کے اندر قید

اسلامی قانون حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جنگی قید خانوں میں رکھنے کے بجائے ذمہ دار خاندانوں میں تقسیم کر دے۔ اس نظام میں انہیں باقاعدہ طور پر گھروں میں جگہ دی جاتی ہے اور وہاں وہی کھانا اور لباس پاتے ہیں جو گھر والوں کو ملتا ہے۔ ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ان سے سخت مشقت لی جا سکتی ہے۔ اس خانگی نگرانی میں وہ نکاح، تجارت اور صنعت و حرفت بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ قیدی اسلامی سوسائٹی میں ضم ہو جاتے ہیں۔ وہ گھر والوں سے اچھے اخلاق اخذ کرتے ہیں اور اسلام کی انقلابی تعلیم کو عملی شکل میں نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے امکان ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت اس تعلیم کو قبول کر لیں اور اسلامی سوسائٹی کے باقاعدہ رکن بن جائیں۔ جیسے اوپر لکھا جا چکا ہے اسلام کے پہلے دور میں ان قوانین پر سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا۔ بعد کی خلاف ورزیاں انہیں منسوخ نہیں کر سکتیں۔

کافروں کے لیے غلامی ایک رحمت ہے

غرض اسلام میں غلامی انقلابی روح کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص انقلاب کی طاقت کو فنا کرنے کے لیے میدان جنگ میں آتا ہے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ قانون کی نظر میں واجب القتل ہے۔ لیکن قرآن حکیم اس کی زندگی

اس خیال سے بخش دیتا ہے کہ شاید وہ انقلابیوں کی نگرانی میں رہ کر اور قریب سے ان کا مطالعہ کر کے انقلاب کی حقیقت سمجھ لے۔ اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ لیکن جو شخص اس انقلابی تحریک پر ایک غیر انقلابی کے نقطہ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے، اس کے نزدیک تو انسانیت کو ظلم سے بچانے کے لیے انقلاب کرنا ہی ناجائز ہے۔ وہ اس انقلاب کے دشمنوں کو دشمن کی حیثیت سے کس طرح دیکھ سکتا ہے اور ان دشمنوں کو واجب القتل کس طرح قرار دے سکتا ہے؟ اور جب وہ انہیں واجب القتل ہی نہیں سمجھتا تو ان کی جان بخشی کر کے اصلاح کی نیت سے انقلابیوں کی نگرانی میں دینا جسے عرف عام میں ''غلامی'' کہا جاتا ہے، کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ لیکن اس میں سارا قصور اس کی غیر انقلابی ذہنیت کا ہے۔ جب وہ اس معاملے پر انقلاب اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے نظر ڈالے گا، تو وہ دنیا کا بہترین حکیم ہونے کے باوجود اسلام کے نظام نگرانی سے بہتر نظام تجویز نہ کر سکے گا۔ اسلام محض ''بلند'' نظریات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ عملی زندگی کے لیے بہترین نظام عمل بھی ہے۔

غلامی کے منکروں کی غلطی

جو لوگ اسلام میں سے نام نہاد غلامی کا جز نکال کر اسے مغربی ملکوں کے نزدیک پیاری شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان ملکوں میں بھی انقلابی موجود ہیں۔ جو اسلام کے ان ''بہی خواہوں'' کی وجہ سے اس عملی مذہب سے اس لیے نفرت کر سکتے ہیں کہ یہ انقلابی نقطہ نگاہ سے قابلِ عمل مذہب نہیں ہے۔ ایسے مذہب سے صرف ارتجاع پسند (Reactionaries) ہی خوش ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ پرست رجعت پسند مغربی اقوام نے غلاموں کو جو فرضی آزادی بخشی ہے، اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گوری قوموں کو قانوناً غلامی سے مستثنیٰ کر کے رنگ دار قوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا۔ اور اب تو گورے افراد کے متعلق بھی علانیہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں ان ''آزاد'' مزدوروں کی حالت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان حالات پر کوئی مہذب قوم فخر نہیں کر سکتی۔

(د) ذٰلِكَ (یہ ہے قانون)

(ہ) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا) یعنی خدا ہی اسباب پیدا کر کے انہیں سزا دیتا۔ مثلاً زلزلہ، طوفان، وبائی بیماریاں وغیرہ کے ذریعے سے ظالم طبقات کو فنا کر دیتا۔

(و) وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے بعض کو بعض کے ذریعے سے)

تمہیں جنگ کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ تمہیں امتحان میں سے گزارا جائے۔ اور حقیقی انقلابیوں کو جو اس کی

تعلیم کو سب سے اونچے درجے پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان ومال سب کچھ اس پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ پینگیں مارنے والوں سے جدا کر دیا جائے۔

(ز) وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جو لوگ قتل ہوئے اللہ کے راستے میں، وہ ان کے عمل ہرگز ضائع نہیں جانے دے گا)

شہید کی محنت ضائع نہیں جاسکتی:

اس طریقے میں یہ بات بھی پیش آئے گی کہ بعض حق پسند انقلابی شہید ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اگر وہ خود اپنی محنتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے، تو دنیا میں ان کی نسلیں ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور ان کی ہم خیال جماعت حکومت و عزت پائے گی۔ اور مرنے کے بعد شہیدوں کو جنت میں بے حساب ترقی کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

آیت نمبر (۵) سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (انہیں راہ دے گا اور ان کا حال سنوارے گا)

چونکہ یہ لوگ حق کی حفاظت میں اپنی جان دے رہے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی جماعت کو ترقی کی راہ پر لگادے گا۔ اور ان کی حالت اس زندگی میں ہی درست کر کے انہیں اونچے مرتبے پر پہنچا دے گا۔ اور مرنے کے بعد ان کی ترقی کا یہ سیدھا راستہ قائم رہے گا۔ اور وہ اس زندگی میں بھی اونچے درجے حاصل کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر (٦) وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (اور انہیں جنت میں داخل کرے گا، جو انہیں معلوم کرا دی ہے۔)

جنت کا تصور مادی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اوپر سے ایک ہی شکل میں آتی ہے، لیکن مختلف مواطن (طبقاتStages) میں سے ہر موطن (Stage) میں اس درجے کے مطابق شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے بارش کہ وہ کرہ ہوا کے ٹھنڈے طبقے میں اولوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے نچلے طبقے میں پانی کے قطروں کی صورت میں اور جب زمین پر آتی ہے تو زمین کے ہر ایک قطعے کے موافق مختلف تاثیریں پیدا کر لیتی ہے۔ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا یہ بنیادی قانون ہے۔

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے، وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے، کیا وہ مصر کی بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہو سکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے، محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ "جنتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہوگا۔'' اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہوگئی اور اپنے معاشی، معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قوانین کے مطابق کیے ہوئے اعمال کے جوہر نہ لے گی وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی، حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی، حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرادی گئی ہوگی، جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس و عرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں گے۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

آیت نمبر (۷) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ○

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جمادے گا۔)

کامیابی کی شرط

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کرلیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگادیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے، یہی انقلاب ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان کی انقلابی جماعت چاہے وہ چھوٹی ہی ہو، بہت بڑی ارتجاعی طاقت پر غالب آجائے گی، کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم، عقل اور عدل پر ہے۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملالے گا۔ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

پائیداری کی شکل

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی، وہ پائیدار نہیں ہوتی۔

لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے۔ اسے عوام میں جائے گیر کرنا چاہیے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا، وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

آیت نمبر (۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ

(اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دئے۔)

مخالفین کی ناکامی

جو لوگ اس انقلاب کی مخالفت کریں گے، وہ ناکام رہیں گے اور ان کے اعمال اکارت جائیں گے۔ وہ اپنی کوششوں سے جو نتیجہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ پیدا نہ ہوگا چونکہ وہ دنیا میں غلط پروگرام چلا رہے تھے۔ اس لیے مرنے کے بعد بھی وہ اپنے صحیح مقام پر نہ پہنچ سکیں گے۔

آیت نمبر (۹) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ○

(یہ اس لیے کہ اللہ نے جو اتارا وہ انہیں پسند نہ آیا پھر اللہ نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایسا پروگرام دیا ہے، جو تمام انسانیت کے لیے مفید ہے، اور قرآن کو ماننے والی جماعت اس تعلیم کو کامیاب بنانے اور انقلاب قائم کرنے کے لیے اٹھی ہے، اس کے مقابلے میں جو ارتجاعی ہیں، وہ محدود طبقوں کے فائدے کے لیے لڑ رہے ہیں، اس لیے یہ انقلابیوں کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مستقبل انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے، وہی کامیاب ہوں گے۔

ناکامی کی تاریخی شہادتیں

اگلی آیتوں میں قرآنی انقلاب کی کامیابی پر تاریخی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر (۱۰) اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ○

(کیا وہ ملک میں پھرتے نہیں کہ دیکھیں کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے انہیں برباد کر دیا، اور منکروں کے لیے ایسی ہی سزائیں ہیں۔)

قرآنی انقلاب کے مخالفین گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آثار کا مطالعہ کریں، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس تحریک کی بنیاد عوام کی بھلائی اور اللہ کے ساتھ تعلق پر ہو وہ ہمیشہ کامیاب ہوتی رہی ہے اور اس کے مخالفین ہمیشہ

ناکام رہے ہیں۔ عرب میں حضرت صالح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی مخالفت کرنے والی قوموں کے آثار موجود ہیں۔ جب ان قوموں نے صالح انقلابی جماعت کا مقابلہ کیا اور ناکام رہے تو حضرت محمد رسول اللہؐ جس انقلاب کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے مقابلے میں یہ ارتجاعی کس طرح ٹھہر سکتے ہیں؟ یہ یقیناً ناکام رہیں گے اور برباد کردیے جائیں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں قرآنی انقلاب پوری طرح کامیاب ہوا، اور پھر بہت ہی بڑے قومی پیمانے پر تمام دنیا پر غالب آیا۔

جنگ کا انجام

آیت نمبر (۱۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ

(یہ اس لیے کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، ان کا رفیق تو خدا تعالیٰ ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کا کوئی رفیق نہیں ہے!)

انقلابیوں کی کامیابی اس لیے یقینی ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لیے مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ ارتجاعی (Reactionaries) ناکام رہیں گے۔ کیونکہ ان کی تحریک عوام کے لیے مفید نہیں، اس لیے اللہ اسے پھیلنے سے روک دے گا۔

آیت نمبر (۱۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝

(اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے (اس ایمان کے مطابق) اچھے کام کیے، یقیناً باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جو منکر اور دشمن ہیں، وہ ایسے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور ان کا گھر آگ ہے۔)

کافر و مومن کا تقابل

قرآن حکیم کے بات کہنے کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ مومن اور کافر کا مقابلہ کرکے ایک کی برتری اور دوسرے کی ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس آیت میں بھی مومن اور کافر کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور کافروں کو بہت گری ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم کو مان کر اسے عمل میں لانے اور اسے پھیلانے اور غالب کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کردینے کو تیار ہیں وہ مومن ہیں، ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس تحریک کو

اپنے ذاتی فائدوں کے خلاف سمجھتے ہیں ان لوگوں کا مطمع نظر یا نصب العین حیوانیت سے اونچا نہیں اٹھتا۔ وہ دنیا کو فقط اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ہم اس سے کہاں تک لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً لباس، مکان، کھانا اور دوسرا سامان عیش کتنا جمع کر سکتے ہیں اور اس سے کتنا مزہ پا سکتے ہیں۔ لیکن ایک حکیم جانتا ہے کہ حیوانی نصب العین کو ترقی دینا انسانیت کے اصلی فائدوں کے بالکل خلاف ہے۔ جو قوم حیوانی نصب العین میں ترقی کرتی ہے، وہ اپنے نفوس کے اندر ایسی گندی اور گرے ہوئے درجے کی عادتیں جمع کر لیتی ہے جو مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کے لیے جہنم پیدا کر دیں گی۔ جو قوم دنیا میں قرآنی اصول پر انقلاب برپا کرتی ہے، وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کی خدمت کرنے والی، اونچے درجے کی حکومت پیدا کر کے عزت حاصل کر لیتی ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے نفوس کے اندر اس تعلیم و تربیت سے ایسی عادتوں کے نتیجے لے جاتی ہے جو اس کے لیے بہشت کی زندگی پیدا کر دیں گے۔

ان باتوں کو نہ سمجھنا اور دنیاوی لذتوں میں پھنس کر آخرت کی زندگی تباہ کر لینا نری حیوانیت ہے۔

آیت نمبر: (۱۳) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝

(اور کتنی سوسائٹیاں تھیں جو اس تیری سوسائٹی سے جس نے تجھے نکالا، زیادہ زور آور تھیں، ہم نے انہیں غارت کر دیا۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔)

مخالفین انقلاب کو تنبیہ

مکے والوں نے حضرت محمد رسول اللہؐ اور آپ کے ساتھیوں کو جو انہیں اعلیٰ درجے کی انسانیت کی تعلیم دیتے تھے، اتنا تنگ کیا کہ انہیں اپنے فکر کی حفاظت کرنے اور پھیلانے کے لیے مکہ معظّمہ سے نکل جانا پڑا، اور ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں یہ انوکھا واقعہ ہے؟ نہیں! مکے والوں سے بھی زیادہ مالدار، طاقتور اور مضبوط سوسائٹیاں اور حکومتیں دنیا میں ہو چکی ہیں، جو انسانیت سے گر کر اور حیوانیت میں ترقی کر کے بے احتیاط زندگی بسر کرتی تھیں، جب انہیں ان کی انسانیت یاد دلانے والے لوگ ان میں پیدا ہوئے تو انہوں نے ان نیک انسانوں کی مخالفت کی۔ نتیجہ دنیا کی تاریخ کے صفحوں میں محفوظ ہے۔ نمرود، فرعون وغیرہ طاقتور تھے۔ لیکن ان کے مقابل ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام وغیرہ باوجود کمزور ہونے کے کامیاب ہوئے۔ ان '' طاقتوروں'' کی تباہی کا وقت آیا تو کسی طاقت نے ان کی مدد نہ کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی طاقت ظالم کو ہمیشہ اونچے مقام پر رکھ نہیں سکتی۔ ظلم کو آخر گرنا ہے۔ تو یہ بے چارے مکہ والے کب اس انجام سے بچ سکتے ہیں؟ یہ ایسی جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں جو نہیں معلوم کتنے عظیم الشان کل قومی انقلابوں کی پیشرو (Pioneer) ثابت ہو گی۔

آیت نمبر (۱۴) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ○
(بھلا جو لوگ اپنے رب کے واضح راستے میں ہیں، ان کے برابر ہو سکتے ہیں، جنہیں ان کا برا کام بھلا دکھایا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں؟)

ایک جماعت انقلاب کی بنیاد کو اپنی عقل سے صحیح جانتی ہے اور اپنے دل کی شہادت سے مانتی ہے اس کے برخلاف دوسری جماعت ہے جو اجتماعیات کے اس انقلابی اصول کو محض بناوٹ سے مانتی ہے، ورنہ اصل میں اس کے افراد عوام سے انتفاع کے اصول پر جمع ہوگئے ہیں۔ ان کا اجتماع ظاہری ہے اور ان کے عملوں کی جو اصل حقیقت ہے، یعنی انتفاع (Exploitation) وہ نہایت گھناؤنی ہے۔ لیکن پراپیگنڈہ کے زور سے اسے قوم پروری، خدمت وطن وغیرہ کے نہایت شاندار الفاظ سے ظاہر کر رہی ہے۔ جیسے موجودہ زمانے میں یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں کا حال ہے۔ کہ ان کے آئین اور قانون کی بنیاد اصل تو انتفاع (Exploitation) پر ہے، لیکن جمہوریت کا ڈھونگ رچایا ہے اور عام لوگوں کو وہ نظام اچھا کر کے دکھایا جاتا ہے لیکن جب اس قسم کا نظام ایسے انقلاب سے ٹکراتا ہے جس کی بنیاد صحیح انسانیت پر ہو تو اس ''خوشنما نظام'' کا ٹوٹ جانا لازم ہے۔ فرعون، نمرود، قیصر و کسریٰ کے نظام اسی قسم کے تھے وہ ٹوٹ چکے، آئندہ بھی ایسے نظاموں کا یہی حشر ہوگا۔ یہ کلیہ قاعدہ ہے۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (چلتے ہیں اپنی خواہشوں پر)

یہ لوگ فقط اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں، جن کی بنیاد حیوانیت پر ہے، ان کی کوئی عقلی یا اجتماعی بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کا پروگرام کامیاب ہوگیا تو یہ سرمایہ پرست جماعت اپنے فائدے کے لیے حکومت قائم کر کے بیٹھ جائے گی۔ اور عوام سے ناجائز انتفاع (Exploitation) کا سلسلہ پہلے کی طرح جاری رہے گا۔

آیت نمبر (۱۵) مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ

(اس بہشت کا حال جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے (وہ یہ ہے کہ) اس میں دریا بہتے ہیں، جن کے پانی میں بو نہیں ہے اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں بگڑا، اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے لیے اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا (صاف کیا) ہوا اور ان کے لیے وہاں سب طرح کے میوے ہیں اور معافی ہے ان کے رب سے، کیا یہ برابر ہے ان کے جو آگ میں سدا رہے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے تو کاٹ نکالے ان کی آنتیں؟)

بہشت کا تصور قومی نقطہ نگاہ سے

مرنے کے بعد کی زندگی، امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیقات کے مطابق، مثالی[1] زندگی ہے۔ اس میں مادیات کا جوہر موجود ہے، لیکن وہ مادی خواص سے بالکل پاک ہے۔ اس زندگی میں انسان کے اعمال ہی مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں پیدا کرلیں گے۔ چنانچہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ حجتہ اللہ البالغہ (طبع مصر جلد اول صفحہ ۳۷) میں فرماتے ہیں کہ :

''حشر میں انسان کے اعمال و اخلاق جو شکلیں اختیار کریں گے، وہ اس شخص کے حق میں پوری پوری طرح ظاہر ہوں گے۔ اس لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے عذاب کا اکثر حصہ قبروں میں پورا ہو جائے گا، (یعنی میری امت چونکہ کمزور ہے۔ اس لیے حشر کی تصویریں زیادہ نہیں بنیں گی۔ لوگ تھوڑی ہی سی بات سے جلد سمجھ جائیں گے)

حشر میں بعض کاموں کی شکلیں ظاہر ہوں گی جنہیں تمام روحیں یکساں طور پر سمجھ سکیں گی۔ مثلاً حضرت نبی اکرمؐ کے نبی ہونے کے بعد جو فیض و ہدایت آپ کے ذریعے سے پھیلا وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگا (یعنی لوگوں نے دنیا میں حضرت نبی اکرمؐ سے جو فیض حاصل کیا اور اسے آگے بڑھانے میں جدوجہد کی وہ ایک حوض کی شکل میں ظاہر ہوگا جس میں پانی ہوگا یہی حوض کوثر ہے جو حقیقت میں قرآن حکیم سے استفادے کا مظہر ہے) اور ان کے جتنے اعمال محفوظ ہیں وہ سب ترازو میں تلیں گے اور اچھے کھانوں، خوبصورت عورتوں، عمدہ لباسوں اور اچھے گھروں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔''

ایسے ہی تفہیمات الٰہیہ (مطبوعہ ڈابھیل) جلد اول صفحہ ۲۵۵۔۲۵۳ میں فرماتے ہیں :

''اس منزل (یعنی مادی دنیا۔ مرتب) سے گزر جائے، تو وہ ایک اور عالم میں داخل ہوتا ہے، جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں، جاتی رہتی ہیں۔ اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضہ کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو، دو ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور کان ہوں، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں دو، دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ لنجا، لنگڑا یا کانہ یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ''ناقص الخلقت'' بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔''

---

[1] مثالی زندگی سے مراد ہے عالم مثال کی زندگی جو مادے سے ماوراء ہے۔ (مرتب)

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں، مثلاً وہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے اندر ایسی عقل سلیم ہو کہ وہ اوہام کی غلاظت سے ناپاک نہ ہوئی ہو اور اس پاکیزگی کے سبب سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صحیح علوم لے سکے۔ اور وہ یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ انسان کی قوت متخلیہ صحیح ہو، تاکہ وہ چیزوں کو عالم مثال کی کیفیت کے مطابق شکل دے سکے۔

الغرض اس موطن میں جاکر انفرادیت کے احکام چھوٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آجاتے ہیں اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ : فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اسلیے آج تیری نگاہ تیز ہے)۔ (۵۰ : ۲۲)

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں، مثلاً میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آجانا۔ ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہو جانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہو گی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہو گی۔ مثلاً ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین، ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی تو، وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہو گی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہو گی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہو گی اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہو گا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی، جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔"

ظاہر ہے کہ یہ تشبحات [1] ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسرا۔ چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے اس نے ان تشبحات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے۔ انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا ہے یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے۔ وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم

---

[1] اعمال کا خاص خاص شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونا۔ (مرتب)

کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے اعمال بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں، اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھے ہیں، اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے، تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے۔ بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں [1] اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے، وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے، لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو مسلمان انقلاب کی راہ میں اپنا جان و مال دے کر کامیاب ہو گئے ان کی معمولی (شخصی) غلطیاں ان کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ اس جماعت کی لغزشیں انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے دنیا بھول جاتی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی میں تو وہ کسی شمار میں نہیں لائی جاتیں اور وہ معاف ہو جاتی ہیں۔ اس آیت میں ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے ایک تو انقلابیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ لغزشوں کے خوف سے انقلاب سے پیچھے نہ رہیں اور نہ ان منافقوں کی بات سنیں جو ان غلطیوں کا خوف دلا کر انقلاب کو ناجائز کہہ رہے ہیں۔ دوسرے ان کی غلطیوں کی معافی کا اعلان کر کے مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان پورا کر دیا گیا ہے تاکہ بے خوف ہو کر انقلاب کو کامیاب بنائیں۔

انسان جب مادیات سے الگ ہو کر بہشت میں جائے گا تو اس کی فطرت بدل نہیں جائے گی، بلکہ اس کے حیوانی جذبات، نفس کی خواہشیں اور عقلی مطالبات اس کے ساتھ جائیں گے، لیکن ان میں ترقی کا سلسلہ قائم رہے گا یہاں تک کہ انسان آخر کار اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ بہشت کی زندگی کا یہ سب سے اونچا مقام ہے۔

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد ماجد (شیخ عبدالرحیم) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد شیخ وجیہ الدین دہلویؒ نے خواب میں جنت دیکھی، جس میں ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ وہ رونے لگ گئے۔ جنت میں جو لوگ متعین تھے وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس جگہ رونے کا کیا کام؟ یہ تو آرام اور خوشی کا مقام ہے۔

---

[1] حضرت ابی بلتعہ کی مثال اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک صحابی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظّمہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے، حضرت ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو ان تیاریوں کی خبر دینے کے لئے ایک خفیہ خط لکھا جو آنحضرت ﷺ کے اشارے سے پکڑا گیا۔ لیکن حضرت ابی بلتعہ کو ان کے جنگ بدر کی خدمات کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ (مرتب)

حضرت شیخ نے فرمایا بھئی ہمیں کھانے پینے کی چیزوں کی حاجت نہیں، ہمیں تو اور ہی چیز چاہیے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلّیوں کا دیکھنا۔ ان موکلوں کو الہام ہوا کہ ان سے کہو کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ : هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الواقعہ: ۵۶) یہ آخرت میں ان کے اترنے کا مقام ہے۔ یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آ کر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ذرا ستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے، لیکن اس کو جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے، انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا)

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے۔ بَيِّنَةٍ پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس شخص کے اعمال اسے (دنیا میں) بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کے پہنچوانے کا ذریعہ ہے۔ اور راستے کی منزل ہے۔ آیت نمبر ۱۶ سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو اس انقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

آیت نمبر (۱۶) وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝

(اور ان میں سے بعض ہیں کہ تیری طرف کان رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلیں تو انہیں جنہیں علم ملا، کہتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں۔)

منافقین

وہ لوگ جو انقلاب کے مخالف ہیں، یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کیا چاہتی ہے؟ لیکن ان کا یہ رجحان وقتی ہوتا ہے۔ وہ جھٹ اور طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بعض مسلمانوں سے باتیں ٹٹولنے کی کوشش

کرتے ہیں، لیکن نہایت بدذوقی کے ساتھ۔ ان کا اصل منشاء یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس انقلاب کی حقیقت معلوم کریں۔ بلکہ محض اپنے فائدوں کی حفاظت چاہتے ہیں۔ وہ ان نازک جذبات سے بالکل کورے ہیں جو انسان کو گرے ہوئے طبقات کی مدد کے لیے اکسائیں۔ اب ان میں سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رہا۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ چھوٹی چھوٹی جنگوں سے یہ انقلاب عرب پر کیسے قابض ہو جائے گا اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بن کر نمودار ہو گا۔ اس بے سمجھی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے۔ وہ قانون کی پابندی کرنا نہیں چاہتے، اس لیے وہ اس عظیم الشان انسانیت گیر انقلاب کے نتائج سمجھ نہیں سکتے۔ یہ لوگ ایک قسم کے نفاق میں مبتلا ہیں۔

اپنی خواہشوں کی پیروی یا تو جاہل لوگ کرتے ہیں۔ یا وہ مالدار جو خدا کو یاد نہیں کرتے۔

آیت نمبر (۱۷) وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝

(اور جو لوگ راہ پر آئے، انہیں اور دی سوجھ اور پرہیزگاری)

مومنین کی حالت

ان منافقوں کے برخلاف وہ مومن ہیں، جو اس انقلاب کو خوب سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک انسانیت کی خدمت کرنے اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے، انہیں جب اس سلسلے میں کام کرنے کا حکم ملتا ہے تو وہ جھٹ اسے سمجھ لیتے ہیں اور کام پر لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا اور جب ملک میں ظلم غالب آجائے تو اسے دور کرنے والے لوگ کھڑے ہو جاتے۔ وہ اس حقیقت کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں کہ حضرت نبی اکرمؐ اور آپ ﷺ کی جماعت کو جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے، تو یہ انسانیت میں سے ظلم دور کر کے حق قائم کرنے کے لیے ہے اور حق قائم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تعریف

تقویٰ سے مراد انسان کا وہ صحیح وجدان ہے جو ظلم کو پہچان لیتا ہے اور اس میں پھنسنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ خدا کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور تصنیف 'غنیہ الطالبین' میں تقویٰ کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ (۱۶:۹۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل قائم کرنے، اجتماع انسانی میں احسانی حالت پیدا کرنے اور قریبوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور

فحش اور منکر اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔)

اس آیت میں عدل سے مراد اجتماع انسانی میں مساوات قائم کرنا ہے۔ تاکہ ہر ایک فرد کی زندگی کی ضروریات آسانی کے ساتھ حاصل ہوتی رہیں۔ احسان سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم اس طرح بجالائے گویا اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ یا کم سے کم اس یقین کے ساتھ بجالائے کہ وہ ہر لمحہ انسان کی نگرانی کر رہا ہے اور ایک دن اس سے جواب طلبی کرے گا۔ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی انسان کو جس سے قریبی تعلق ہے بھوکا نہ سونے دے۔ ننگا نہ رہنے دے۔ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ اور الۡبَغۡیِ نافرمانی کے تین درجے ہیں۔ پہلے تین اجزاء، عَدۡلِ اِحۡسَانِ اور اِیۡتَآیِٔ ذِوی الۡقُرۡبٰی مثبت ہیں اور آخری تین اجزاء۔ فَحۡشَآءِ، مُنۡکَرِ اور بَغۡیِ منفی ہیں۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد عدل اور ذمہ داری کا احساس ہے۔ پس اٰتٰھُمۡ تَقۡوٰھُمۡ (انہیں تقویٰ دیا) سے مراد یہی عدل اور احساس ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے۔ جس جماعت کے افراد میں یہ چیز پیدا ہو جائے وہ ظلم کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی، خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی کی طرف سے اور چاہے اس کے اپنے اندر ہو یا کسی اور اجتماع کے اندر۔

قرآن کا انقلاب اجتماع انسانی میں یہی تقویٰ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اجتماع میں سے ہر ایک قسم کا ظلم دور کرنے کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرنے اور خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

آیت نمبر (۱۸) فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا

(اب یہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر اچانک آ کھڑی ہو سو، اس کی نشانیاں آ چکی ہیں۔)

الساعۃ سے کیا مراد ہے؟

الساعۃ سے مراد پہلے درجے میں اس دنیا میں انقلاب کی گھڑی ہے اور کامل درجے میں انسانیت عامہ کے اس انقلاب کا وقت ہے جب ساری نوع انسانی کو خدا کی تجلی کے سامنے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ [1]

اس سے پہلی آیت میں جس تقویٰ کا ذکر ہے، اسے اگر اس الساعۃ سے ملایا جائے تو مراد یہ ہو گی کہ اجتماع انسانی میں کل قومی پیمانے پر تقویٰ قائم کرنے کی جس انقلابی گھڑی کا انسانیت کو انتظار تھا اس کی نشانیاں آ گئی ہیں۔ اب اپنے آپ کو اس انقلاب کے قبول کرنے کے لیے تیار کر لو۔ یعنی اس انقلاب کے حصہ دار بن جاؤ تو بچ جاؤ گے، نہیں تو

---

[1] اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائی گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا لیکن تو نے میری خبر نہ لی؟ انسان کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو ساری اقوام کا رب ہے تیری خبر گیری کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی؟ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پس جاؤ گے۔

ہمارے نزدیک قرآن حکیم کے بین الاقوامی انقلاب کی آمد کی خبر دینے والی پہلی سورت ''النمل'' ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ (اللہ کا امر آگیا ہے۔ جلدی مت کرو) (۱/۱۶) اس میں بھی امر اللہ سے عالمگیر انقلاب (World Revelution) مراد ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ (سورہ فتح ۲۸)

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ (سورہ صف ۹)

(خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ اسے تمام نظام ہائے ثقافت یعنی ادیان پر غالب کرے۔) (مرتب)

اب جب مومنین اسی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لیے تیار ہوگئے ہیں، اور انہوں نے وہ شرطیں پوری کرلی ہیں جو اس انقلاب کے لیے ضروری ہیں۔ ان کی کامیابی کی گھڑی جو انقلاب کی ساعت ہے اچانک ہی آجائے گی۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مکہ والوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی اور انقلابی فوجیں یکایک مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر اس پر قابض ہوگئیں۔

(ب) فَاَنّٰی لَہُمۡ اِذَا جَآءَتۡہُمۡ ذِکۡرٰىہُمۡ

(پھر کہاں نصیب ہوگا انہیں جب آجائے گی ان کی یاد دہانی؟)

جب انقلاب کی گھڑی آپہنچی اور مومنوں کا غلبہ اور کافروں کی شکست اٹل ہوگئی، تو اس وقت یاد دہانی کا وقت نہیں ہوگا۔ اس لیے ان لوگوں کو ابھی سے سمجھ جانا چاہیے اور انقلاب کی قوتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کے ساتھ شامل ہوجانا چاہیے۔ نہیں تو وہ پیس ڈالے جائیں گے۔

آیت نمبر (۱۹) (الف) فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ

(پس تو جان لے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے۔)

اس انقلاب کی غرض

یہ انقلاب اللہ کی حکومت قائم کرنے کے لیے آیا ہے، نہ کہ کسی خاص شخص یا خاندان کی۔ چاہے وہ شخص نبی اکرمؐ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ خاندان بنی ہاشم ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ یہ انقلاب بادشاہوں اور عام سیاسی لوگوں کے

تجویز کیے ہوئے انقلابوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان انقلابوں میں وہ لوگ اپنی اپنی غرض حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور یہ انقلاب عوام پر ہونے والے ظلموں کو دور کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس قرآنی انقلاب میں حصہ لے رہے ہیں، ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جو چاہیں کر گزریں۔ وہ تو اللہ کے غلام ہیں۔ ان سے حساب لیا جائے گا۔ البتہ ان سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ انہیں معاف کر دی جائیں گی اور ان کی نیکیوں کا اجر اللہ اپنے پاس سے دے گا۔ وہ دنیاوی اجر کی خاطر کام نہیں کر رہے۔

نبی، قانون کی آخری اپیل کا مقام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی طرف قانونی غلطی تو منسوب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ قانون کے لحاظ سے تو غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن اپنی جماعت کے لیڈر ہونے کی وجہ سے ان غلطیوں کے ذمہ دار ہیں، جو انقلاب کے دوران میں آپؐ کے ساتھیوں سے ہوئیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کی بھی تلافی کریں، جو ان کی معافی کا سبب بن جائے (اس مسئلے پر مزید روشنی سورہ فتح میں ڈالی گئی ہے)

(ب) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ

(اور اللہ تمہارے لوٹنے کی جگہ اور گھر جانتا ہے۔)

تم اس انقلاب میں کس نتیجے پر جا کر ٹھہرو گے اور راستے میں تمہیں کیا کیا دقتیں اور تکلیفیں پیش آئیں گی؟ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم اپنا کام کیئے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری منزل کی تیاری تم سے کراتا رہے گا۔

منافقوں کے حالت

آیت نمبر ۲۰ (الف) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ (اور ایمان والے کہتے ہیں کہ ایک سورت کیوں نہ اتری؟)

مومنین اور قتال

مومنوں کی ایک جماعت انقلاب کی پہلی صف میں آنے کے لیے بے تاب ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جنگ کا حکم ملے اور وہ ارتجاعیوں (Reactionaries) کا سر کچل ڈالیں۔

(ب) فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ

(جب ایسی سورت اتری جس میں جنگ کا ذکر آ گیا اور وہ ذکر بھی ایسا صاف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہو سکتی۔)

ترقی کن انقلابی مومنوں کی جماعت جنگ کے لیے آمادہ ہے، اس کی خاطر جنگ کی سورت۔ سورہ قتال۔ نازل ہو گئی ہے۔ اس سورت میں جنگ کا حکم ایسے الفاظ میں آگیا ہے کہ ان سے مراد فقط میدان جنگ میں جا کر لڑنا ہے۔ پھر یا مارنا ہے یا مرنا ہے۔ اس کے سوا اس کی اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ اس سورت کی چوتھی آیت جس میں جنگ کا ذکر ہے ایسی ہی آیت ہے۔

(ج) رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

(تُو، تو دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، وہ تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں گویا ان پر موت کی سی غشی طاری ہو گئی ہے۔)

منافقین اور جنگ

جنگ کا حکم سن کر منافقوں پر جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، موت کی سی غشی چھا جاتی ہے، کیونکہ ان کے خواہش تو یہ ہے کہ انقلاب برپا ہو جائے اور وہ حکومت قائم کر لیں لیکن لڑنا نہ پڑے، کیونکہ اس میں جان اور مال جانے کا خطرہ ہے۔

انسانیت کے تمام طبقے یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں کئی قسم کے لوگ ہیں، ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم ہے۔ ان کی درمیان بے شمار قسم کے جھگڑے ہیں۔ اگر انقلابی جماعت اپنے مخالف ارتجاعیوں (Reactionaries) کو مہلت دے، انہیں غلط پروگرام پر رہنے دے اور قتل نہ کرے تو وہ ارتجاعی (Reactionaries) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انقلابی جماعت کمزور ہے اور وہ ارتجاعی جرات پا کر انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس صورت میں جنگ کے بغیر انقلاب آ سکتا ہے؟ اگر انقلابی جماعت لڑائی نہ کرے تو بھی ارتجاعی (Reactionaries) ضرور جنگ کی طرح ڈالتے ہیں اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو جماعت اس حالت پر راضی رہتی ہے اور جنگ و قتال کا نظام اپنے اندر قائم نہیں کرتی وہ کبھی اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔ اب یہ انقلابی چاہتے ہیں کہ انہیں جنگ کی اجازت مل جائے، لیکن ان میں جو منافق ہیں وہ جنگ سے گھبراتے ہیں۔ جنگ کی اجازت آتے ہی ان پر موت کی سی غشی چھا گئی۔

(د) فَاَوْلٰى لَهُمْ (تو خرابی ہے ان کے لیے۔)

اگر یہ لوگ اپنی حالت درست نہ کر لیں اور اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار نہ کر لیں تو ان کا انجام اچھا نہ ہو گا، اور یہ لوگ ہوتے ہوتے ارتجاعی (Reactionaries) بن جائیں گے جو کفر ہے۔

آیت نمبر ۲۱۔ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْصَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

(حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی، پھر جب تاکید ہو کام کی تو اگر اللہ سے سچے رہیں تو ان کا بھلا ہے)

(الف) طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (حکم ماننا اور بھلی بات کہنا۔)

جو شخص اطاعت اور قول معروف پر بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جائے، اس سے پہلے ہی دن جواب طلبی کی جاسکتی ہے۔

قولِ معروف کیا ہے؟

جماعت کے منظور کیے ہوئے قاعدوں کے اندر جو حکم دیا جائے وہ قول معروف ہوتا ہے۔

اگرچہ ظاہر میں ان لفظوں سے کوئی خاص بات سمجھی نہیں جاسکتی۔ لیکن فرمانبرداری کا پکا وعدہ اور جماعت کے فیصلے کو ہر حالت میں مان لینے کا پکا ارادہ ایک سچے انسان کو جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کر سکتا ہے، یہی انقلاب ہے۔

فَإِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْصَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

(جب تاکید ہو کام کی، تو اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔)

مومنوں کی انقلابی جماعت اس بات پر جمع ہو جائے کہ جنگ کا وقت آ گیا ہے، تو اس وقت قول معروف یہی ہے کہ ان کی اجماعی بات کی اطاعت کی جائے، کیونکہ بیعت کی شرط یہی ہے۔ اب اگر اپنی بیعت کے قول کو صدق اور صفائی کے ساتھ پورا کر دیا جائے تو یہ اچھا ہے کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ میں جان بچے گی یا نہیں اور اگر جنگ میں کامیاب ہو گئے تو انقلابی حکومت کا قیام یقینی ہے۔ حکومت تک پہنچانے کے لیے بیعت کے قول کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اُس وقت جنگ سے جی چرانا سخت جرم اور گناہ ہے۔

آیت نمبر ۲۲: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ

(پھر تم سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو تم ملک میں خرابی ڈالو گے اور قرابتیں کاٹو گے۔)

منافقین کو کوئی ذمہ دار پوزیشن نہیں دی جاسکتی

جو لوگ آج جنگ میں جانے سے جی چراتے ہیں اور جنگ کے قانون کے پیروی نہیں کرنا چاہتے، وہ امن کے زمانے میں قانون کی پابندی کس طرح کر سکتے ہیں؟ کیا یہ لوگ اُس وقت عام ملکی قانون کی خلاف ورزی نہ

کریں گے؟ ہمسایوں اور ہم وطنوں کے حقوق پامال نہ کریں گے؟ فطری رشتے کاٹ نہ ڈالیں گے؟

ایک آدمی جو قانون کے اندر رہ کر میدان جنگ میں جاتا ہے اور اپنے افسر کے ماتحتی میں نیک نامی سے فارغ ہوتا ہے، وہ اخلاق کی سند لے کر آتا ہے۔ اگر اسے امن کے زمانے میں حاکم بنادیا جائے تو وہ قانون کو خوب چلائے گا اور اعلیٰ پیمانے پر ضبط قائم رکھے گا اور اپنے افسران اعلیٰ کی پوری پوری اطاعت کرے گا۔ لیکن جو لوگ قانون کے اندر رہ کر لڑائی میں حصہ لینا نہیں چاہتے، وہ حاکم بنتے ہیں تو عام طور پر شہوت رانی اور جذبات انتقام پورا کرنے کے لیے حکومت کرتے ہیں۔ جو لوگ جنگ کے وقت گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور لڑائی سے جی چراتے ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ لڑائی کے بعد جب موقع آئے گا تو انہیں حکمران بنادیا جائے گا۔ یہ لوگ بہت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لوگ حکومت کریں گے تو ہر قسم کے سماجی فسادات پیدا کریں گے۔ پس جو لوگ قرآن کی اطاعت کا عہد توڑیں گے، اگر انہیں حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ

(ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔)

منافقین کی غلط ذہنیت

مسلمانوں کی جماعت میں جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے خدا تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے، لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں وہ اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آگئی ہے وہ اس جماعت سے الگ ہوجائیں گے۔ یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے، اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں اور ترقی کن طاقتیں برسر اقتدار آجاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن کی حکمت۔ یہ ناسمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں، نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے۔ لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم سب سے زیادہ یاد تھا جب وہ لڑائی پر جانے لگا تو اس سے کسی نے کہا کہ آپ جنگ پر نہ جائیں اور

یہیں رہ کر تعلیم دیں۔ اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جاننے والوں میں سب سے برا میں ہوں، کیونکہ ایسے موقعے پر پیچھے رہنے کی خواہش صرف بزدل لوگ ہی کرسکتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اپنے لیے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ جنگ کو فرض جان کر بھی جنگ میں شریک نہ ہو یا جنگ کی تیاری نہ کرے اور وعظ کہتا پھرے۔

انقلاب اور جہاد

اب آیت نمبر ۲۴ تا ۲۸ تک میں، ان مرتدین کا ذکر آتا ہے جو جنگ سے بھاگتے ہیں۔
آیت نمبر ۲۴: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا
(کیا یہ قرآن میں دھیان نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟)
جو لوگ قرآن حکیم کے صریح احکام کے باوجود جنگ یا اس کی تیاری سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دلوں سے رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی سمجھ نکل جاتی ہے (خدا اس سے بچائے!)۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ حضرت محمد ﷺ قرآن حکیم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر آپ جنگ میں شہید ہو جاتے تو تحریک اسلام کو کتنا خطرناک نقصان پہنچتا؟ پھر بھی آپ ہمیشہ جنگ میں شرکت فرماتے اور کبھی اس سے جی نہ چرایا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کے الفاظ میں آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ (اگر یہ جنگ میں نہ جائیں تو اکیلے جنگ پر جاؤ اور لڑو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے) تو کیا ہمارے عالمان قرآن اسے نہیں سمجھتے؟ یہ کیوں اس سے جی چراتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتے، ان پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے۔ جس فرض سے آنحضرت ﷺ بری نہیں ہیں اس سے اور کون بری ہو سکتا ہے؟ پس ہر ایک عالم و عامی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کو غالب کرنے کے لیے لادینیت کی ہر شکل کے خلاف انقلاب لانے کی پوری پوری کوشش کرے۔ اور اگر اس میں اسے مال و جان کا نقصان برداشت کرنا پڑے تو برداشت کرے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ
(جو لوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے، ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے وعدے کیے ہیں۔)

نماز، روزہ اور قتال

جو لوگ مسئلہ قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے

طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں مثلاً کہیں کہ ہماری سرحد پر جنگ نہیں ہے یا ملک میں مسلمانوں کا کوئی رہبر نہیں ہے، مسلمان بے حد کمزور ہیں اور پراگندہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ انہیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا، اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجالانا پہلی شرط ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا سے ظلم دور کیا جائے۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے۔ مثلاً ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں، ہر اس شخص کا فرض ہے جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز، روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے! انہیں چاہیے تھا کہ قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم از کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں، گویا وہ اپنی نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ اعمال بھی کام نہ دیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے۔ ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے۔ کیوں کہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے، اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں، تو ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار جائیں گے۔ اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں، مثلاً نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے

والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی تو سب عمل اکارت گئے۔ دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زوردار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی اکارت چلا جاتا ہے۔ بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی صلح کی (جس کا ذکر اگلی سورت میں آتا ہے) تو عرب میں آپ کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی اس قومی انقلاب کی منزل سے اگلی منزل، کل قومی (بین الاقوامی) انقلاب کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ آپؐ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کی طرف خط لکھ کر انہیں دھمکایا کہ اگر وہ اس انقلاب میں شریک نہ ہوں گے، تو وہ برباد کر دیئے جائیں گے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۝ (جب تک تو ایک کام سے فارغ ہو جائے تو پھر محنت کے لئے اٹھ کھڑا ہو) یعنی ایک کام سے فارغ ہوتے ہی دوسرا زوردار کام شروع کر دو۔ (الم نشرح۔ ۷)

آیت نمبر۔ ۲۶: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ

(یہ اس واسطے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جو، اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے بیزار ہیں، کہا کہ ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعض کاموں میں۔ اور اللہ ان کا خفیہ مشورہ کرنا جانتا ہے۔)

منافقین اور کفار کا سمجھوتہ

یہ منافقین اور کمزور دل لوگ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر جنگ سے گریز کرتے ہیں، تو اس کا بھید یہ ہے کہ ان منافقوں نے قرآن حکیم کے مخالفوں سے سازش کر رکھی ہے۔ انہوں نے ان کافروں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے کہ ان کی تھوڑی بہت مخالفت کرتے رہیں گے، لیکن میدان جنگ میں جا کر ان کے خلاف لڑیں گے نہیں۔

آیت نمبر۔ ۲۷: فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ

(پھر کیا حال ہوگا؟ جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے، ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے!)

یہ لوگ جو حق کا راستہ چھوڑ کر جھوٹ کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، یعنی باطل کے خلاف میدان میں نہیں آتے، یہ مریں گے تو انہیں سخت عذاب دیا جائے گا، اس وقت یہ لوگ کیا کریں گے؟

آیت نمبر ۲۸: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ

(یہ اس لیے کہ وہ چلے وہ راہ جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے اس کی خشنودی ناپسند کی۔ چنانچہ اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیے۔)

انہیں موت کے وقت یہ دردناک عذاب اس لیے ملے گا کہ یہ لوگ اس بات سے بھٹک گئے جو خدا کو پسند تھی۔ اب ان کے تمام نام نہاد نیک اعمال بے نتیجہ ہیں۔ اب ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جانا چاہتا ہے لیکن مغرب کی طرف رخ کرکے چل دے، وہ چلے گا بھی فاصلہ بھی طے کرے گا اپنے بدن کو تھکائے گا بھی لیکن اصل منزل پر نہ پہنچ سکے گا، اس لیے اصل منزل کے لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ اس کے سفر کا عمل اکارت گیا۔ حالانکہ مغرب کو چلنا بجائے خود ایک عمل ہے، اگر وہ صحیح سمت کو کیا جاتا تو نتیجہ پیدا کرتا، لیکن سمت بدل جانے سے نتیجہ خیز نہ رہا۔ ایسے ہی نام نہاد مسلمانوں کے اچھے عمل نتیجہ خیز نہ ہوں گے کیوں کہ یہ انسانیت میں سے ظلم دور کرنے کے لیے جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

صوفیاء کا فریضہ

ہم نے ہند کے مسلمانوں کی طرف سے پہلی عمومی جنگ ۱۸-۱۹۱۴ء میں حصہ لے کر بعض باتیں اپنے تجربے سے دیکھیں، جن کا ہمیں اپنے پڑھنے پڑھانے کے زندگی میں کبھی سان گمان بھی نہ تھا۔ اس تجربے سے ہم یہ جان چکے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے دینی علوم اور ارشاد واحسان بہترین اعمال میں سے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان اعمال سے کسی حالت یا کسی شکل میں کافروں کی مدد نہ ہوتی ہو، نہیں تو اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کو بھی بیکار اور بے اثر کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صوفی اپنے مریدوں کو اللہ اللہ کرنے میں لگائے رکھتا ہے تو وہ انہیں قرآن حکیم کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار نہیں کر سکتا اور اس طرح کافروں کو فائدہ پہنچتا ہے، تو ان نیک اعمال کے فائدے مند ہونے میں شبہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد اور امر بالمعروف کے مسئلے میں فقیہ رازی نے 'احکام القرآن' میں نہایت اچھی طرح کھول کر بات کی ہے۔ ہمارے لئے وہ کافی اور شافی ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے طریق پر انقلابی روح قائم رکھی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ حنیفیہ کے لئے قرآن حکیم کی انقلابی تحریک سے پیچھے رہنے کا کوئی عذر باقی رہ گیا ہے۔

آیت نمبر ۲۹: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

(کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینے ظاہر نہیں کرے گا؟)

کیا ان منافقوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی خیانت، ان کی بے ایمانی اور بددیانتی ظاہر نہ کی جائے گی۔ ایک نہ ایک دن ان کی دوستی دشمنی کا فیصلہ کرنا ہوگا، ان کی خفیہ سازشیں ہرگز قائم رہنے نہیں دی جاسکتیں۔

آیت نمبر ۳۰ : وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

(اگر ہم چاہیں، تو تجھے وہ لوگ دکھادیں اور تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے (اور اب بھی) تو ان کے بات کے ڈھب سے انہیں پہچان لے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔)

اگر خدا چاہے، تو آپؐ کو ان لوگوں کی شناخت ان کے چہروں سے ہو جائے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ آپؐ کو ان منافقین کی کوئی ایسی عام نشانی بتادے، کہ وہ قاعدے میں آسکے۔ مثلاً ان کے بول چال اور لب و لہجہ سے آپ جان سکتے ہیں کہ کس طرح جنگ کی بات ٹال جاتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۱ : وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

(اور البتہ ہم تمہیں جانچیں گے۔ تاکہ معلوم کرلیں کہ تم میں لڑائی کرنے والے اور قائم رہنے والے کون ہیں؟ اور تمہاری خبریں تحقیق کرلیں۔)

منافقوں کا اخراج

اور اگر کمزور لوگ اپنی حالت درست نہ کرلیں اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار نہ ہو جائیں، تو منافق بن جاتے ہیں۔ انقلاب کی حالت میں جنگ کے وقت مجاہدین اور منافقین کی تمیز لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبردار کردیا۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے انہیں پہچان لیتا ہے اور انہیں مسلمانوں کی پہلی لائن سے نکال دیتا ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانے میں فرمایا تھا کہ اب جب مسلمان مضبوط ہوگئے ہیں، ہم منافقین کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرسکتے جو حضرت رسالت مآبؐ کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

منافقین کو پہلی لائن سے نکال دینا اسی وقت ممکن ہوتا ہے، جب حکومت منظّم ہو جائے۔ شروع شروع میں حکومت منظّم نہ تھی، کہ انہیں باہر نکال دیتے یا انہیں سزا دیتے۔ حکومت منظّم ہو جانے کے بعد منافقین کو صرف نکالا ہی نہیں جائے گا، بلکہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوگا، جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو ان کے حق میں بولنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہم انقلابی جماعت کے لیے یہ شرط مقرر کرتے ہیں کہ وہ منافقین کو ہرگز جماعت میں قبول نہ کرے۔ اور جب وہ شامل ہو جائیں تو انہیں اس وقت تک نہ نکالے جب تک تنظیم مکمل نہ ہو جائے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرح صبر سے کام لے۔

آیت نمبر ۳۲ : اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

(جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہوگئے رسولؐ کے، سیدھی راہ ظاہر ہوچکنے کے بعد، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کردے گا ان کے سب کام۔)

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

(اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو، اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو!۔)

نبی اکرمؐ کی پیروی کی معنی

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنخضرتؐ اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہیں کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کرکے اپنے اعمال کو برباد مت کرلو۔ تم جو نماز، روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو، وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے تو پہلے کیے سب کام بے فائدہ ہوجائیں گے۔

آیت نمبر ۳۴: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

(جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا۔ پھر مرگئے اور وہ منکر ہی رہے، تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔)

کفار کا انجام

جو لوگ قرآن کی حکومت اور اس کے نظام کی قیام کے مخالفت پر اڑے رہے اور لوگوں کو اس نظام پر چلنے سے روکتے رہے، لڑکر پراپیگنڈہ کرکے یا کسی اور طرح مجبور کرکے، تو اگر وہ اسی حالت میں مرگئے اور انہوں نے اس انقلاب میں حصہ نہ لیا، تو مرنے کے بعد کی زندگی میں ان کی ترقی رک جائی گی۔ اور وہ جہنم کے جس گڑھے میں پڑیں گے، اسی میں پڑے رہیں گے۔

آیت نمبر ۳۵: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

(تم بودے نہ ہوئے جاؤ، کہ پکارنے لگو صلح! اور تم غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور نقصان نہ دے گا تمہیں تمہارے کاموں میں۔)

پائیداری کی ضرورت

تمہیں چاہیے، کہ بودے پن کا اظہار کرکے "صلح!" مت پکارنے لگو۔ بلکہ پائیداری اور بہادری کے ساتھ جنگ کرو۔ اللہ کی تمام قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم یقیناً کامیاب ہوگے۔ دوسری جگہ ہے۔ کہ وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا (الانفال ۶۱) (اگر وہ صلح کی طرف جھکیں، تو تم بھی جھک جاؤ) یعنی اگر مخالفین صلح کی درخواست کریں، تو اس وقت صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ لیکن خود کمزوری دکھا کر صلح کرنے سے موت بہتر ہے۔ اگر تم قرآن حکیم کو بلند کرنے یا اسے بلند رکھنے کے لئے لڑوگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر مرد، عورت، بچہ، بوڑھا میدان جنگ میں جائے مگر ضروری ہے کہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی شکل میں جنگ میں حصہ لے۔ (تفصیل سورۃ فتح میں آئے گی)۔

آیت نمبر ۳۶ : اِنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ وَ لَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ

(دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے (یعنے عدل کروگے) تو اللہ تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال نہ مانگے گا۔)

مال خرچ کرنے کی ضرورت

ادنیٰ درجے کی زندگی یعنی حیوانی زندگی جو عقل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی غرض انسانیت کو ترقی دینا نہ ہو، لغو اور بے ہودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے تم سے کچھ نہیں مانگتا، لیکن تمہاری جان اور تمہارا مال خود تمہارے اپنے صحیح نظام کے قیام پر خرچ ہونا ضروری ہے۔ اگر تم اس نظام کو مان کر انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے، تو اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ خدا تو غنی ہے۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق جنگ میں حصہ لے۔

غرض اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے ہی سے انقلابی تحریک کو ترقی ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۳۷ : اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡہَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَ یُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ

(اور اگر وہ تم سے مال مانگے اور پھر تم کو تنگ کرے، تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کردے تمہارے دل کی تنگیاں۔)

انقلابی پارٹی اپنے ممبروں کا سارا مال طلب نہ کرے ورنہ یا تو وہ چھپالیا کریں گے، یا ان کے دلوں میں میل آجائے گا اور وہ تحریک میں پوری خوشدلی کے ساتھ حصہ نہیں لے سکیں گے۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مال میں سے بقدر ضرورت رکھ لے اور باقی مال تحریک کے لیے دے دے۔

آیت نمبر ۳۸: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ

(سنتے ہو تم! لوگ تمہیں بلاتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، پھر تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ جو شخص بخل کرے گا وہ اپنے آپ سے بخل کرے گا۔ اللہ تو بے نیاز ہے تم ہی محتاج ہو۔ اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ تمہاری جگہ پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔)

تحریک کا تقاضا ہے کہ تم اپنا مال اس میں خرچ کرو۔ اگر تم بخل کرو گے تو یہ تحریک برباد ہو جائے گی اور دشمن تمہیں ذلیل کر ڈالیں گے اور تمہارا سارا مال لے جائیں گے۔ خرچ کرو گے تو فتوحات حاصل ہوں گی اور زیادہ مال و دولت ملے گا۔

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تم ہی محتاج ہو) خدا تعالیٰ کو تو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود تمہاری اپنی قومی ضرورتیں ہیں۔ جو مال کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں یعنی قومی ضرورتوں میں مال خرچ کرو گے، تو خدا تمہیں اتنی دولت دے گا کہ تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو اللہ تمہارے بجائے اور قوم بدل لے گا۔

اگر تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور قرآن حکیم کو غالب کرنے کی تحریک میں جان و مال سے کوشش نہ کی تو کوئی دوسری جماعت اس کام کے لیے تیار ہو جائی گی، جو مال بھی خرچ کرے گی اور جان بھی لڑائے گی وہ تم جیسی سست اور کاہل اور جان و مال سے دریغ کرنے والی جماعت نہ ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا انٹرنیشنل نظام بہت بڑی قربانی کا طالب ہے اس راہ میں بہت خطرے ہیں لیکن آخر کار بین الاقوامی غلبہ اور عزت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جماعت اور اللہ کی راہ میں خرچ

اللہ کے فضل سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تیار کی ہوئی جماعت نے جان اور مال سے کسی جگہ بھی دریغ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جماعت کل قومی انقلاب کا مرکز بن گئی اور وہ انقلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مکمل ہو گیا۔

اس کے بعد جب عربوں نے اس بین الاقوامی تحریک کو قومی بنالیااور رفتہ رفتہ جان ومال سے دریغ کرنے لگے تو عجمی قوتیں غالب آ گئیں۔ قرآن کی سرمایہ شکن طاقت بہرکیف غالب رہنی چاہیے۔ جب اس کی سرمایہ شکنی میں فرق آئے گا اور سرمایہ پرستی پیدا ہوگی، تو ضرور انقلاب آئے گا اور کوئی نہ کوئی سرمایہ شکن طاقت اوپر آجائے گی۔

موجودہ دور کی ضرورت اور امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ

اب جبکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی سرمایہ شکن خداپرست طاقت برسر اقتدار نہیں ہے۔ ضروری ہے اور انسانیت کا طبعی تقاضا بھی ہے کہ سرمایہ شکنی اور خداپرستی کے مجموعی پروگرام پر انقلاب برپا ہو۔ یہ انقلاب کس خطے میں ہوگا؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا لیکن حجۃ الاسلام امام ولی اللہ دھلویؒ کی دور بین نگاہ جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ انہوں نے تفہیمات الٰہیہ وغیرہ میں بیان کردیا ہے۔

بہرکیف اس سورت میں قرآن حکیم کے جس انقلاب کی طرف دعوت دی گئی ہے، وہ ساری انسانی نوع کے لیے مفید ہے اور آج بھی جب انسانی سوسائٹی راسمالی (Capitalist) اور غیر راسمالی (Anti Capitalist) کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے، قرآن کریم ہی کی تعلیم صحیح معاشیات پیدا کر کے پائیدار امن پیدا کرسکتی ہے، تاکہ اسلام کا مکمل نظام دنیا میں نافذ ہو۔ ضرورت پڑے تو یہ رجعت پسند طاقتوں کو قوت کے ذریعے سے ختم کرنے کا داعی ہے، لیکن رجعت پسندی کو کسی حالت اور کسی شکل میں بھی قبول نہیں کرسکتا۔